حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی
(خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ)

مکتبہ خلیل
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7321118

قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

آنکھوں کی روشنی، سینوں کا انشراح، نفوس کی حیات
قلوب کی تازگی، کانوں کا زیور، عقول کا چراغ

از افادات

مصلح الامۃ عارف باللہ

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی

(خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ)

مکتبہ خلیل یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کِتاب ـــــــــــ تلاوت قرآن

مصنف ـــــــــــ مولانا شاہ وصی اللہ الٰہ آبادی

ناشر ـــــــــــ مکتبہ خلیل یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار - لاہور

طابع ـــــــــــ گنج شکر پریس لاہور

اشاعت ـــــــــــ جنوری ۱۹۹۹ء

قیمت ـــــــــــ -/۳۹ روپے

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	عرض ناشر	۵
۲	مقدمہ	۱۵
۳	تلاوتِ حقیقی اور نفاقی کی بحث	۳۳
۴	تقشف اور ظاہرداری پر نکیر	۳۴
۵	صدق وارادت	۳۵
۶	قلب کی تباہی اور اس کی موت کے اسباب	۳۶
۷	عظمت وعقیدت کی اہمیت	۳۷
۸	کلام اللہ کی عظمت وجلالتِ شان	۴۰
۹	قرب ورضا کا سب سے بڑا ذریعہ	۴۱
۱۰	شقاوت کی علامت	۴۲
۱۱	کلام اللہ سے بے اعتنائی کیوں؟	۴۴
۱۲	کلام پاک کے اوصاف	۴۷
۱۳	قوموں کی رفعت وپستی کا راز	۴۹
۱۴	قیامت میں قرآن کا مخاصمہ	۵۲
۱۵	اہلِ علم کی بعض عمومی کوتاہی اور مصلح الامت کی بلیغ تنبیہ	۵۲
۱۶	فرائض، تلاوت اور دوسرے اذکار میں فرقِ مراتب	۵۴
۱۷	فنائے نفس سے پہلے تلاوتِ قرآن کا مقام	۵۷
۱۸	تلاوتِ صحیحہ فنائے نفس کا ذریعہ، قلب میں جلا و نور کا وسیلہ ہے	۵۸
۱۹	تلاوت میں عظمت وتصدیق کیسے پیدا ہو	۶۲
۲۰	علمائے آخرت وآدابِ باطنی	۶۸
۲۱	قرآن اور حاملینِ قرآن ارشاداتِ نبویہ کی روشنی میں	۷۳
۲۲	ایک عام بداعتقادی اور اس کا ازالہ	۷۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۳	قرآن کی شفاعت	۷۷
۲۴	امراضِ قلبی وجسمانی کی شفاء	۷۸
۲۵	ماہرِ قرآن کی تعریف	۸۰
۲۶	باعتبارِ تلاوت انسانوں کے چار درجات اور انکی تشبیہ	۸۲
۲۷	قاری قرآن کو نارنگی سے تشبیہ کی حکمت	۸۳
۲۸	ابوموسیٰ اشعریؓ کے حدیث کی شرح	۸۸
۲۹	آثارِ صحابہ قرآن وحاملینِ قرآن سے متعلق	۹۴
۳۰	آسیب وجنات کے تسلط کا علاج	۹۵
۳۱	احادیث وآثار تلاوت سے غفلت برتنے والوں کی مذمت میں	۹۹
۳۲	قرآن سے بے اعتنائی پر ایک ضرب کاری	۱۰۵
۳۳	تلاوت بغیر معانی سمجھے ہوئے بھی مفید اور باعثِ ثواب ہے	۱۰۷
۳۴	کام کا طریقہ اور کامیابی کی شرائط	۱۰۷
۳۵	اسلاف کا قرآن سے شغف	۱۰۸
۳۶	حاملِ قرآن کے آداب واوصاف	۱۲۱
۳۷	معمولاتِ سلف	۱۲۳
۳۸	رات میں تلاوت کی کثرت	۱۲۶
۳۹	قرآن کے بھلادینے کی مذمت اور وعیدِ شدید	۱۲۸
۴۰	آداب تلاوت قرآن پاک	۱۳۰
۴۱	قرآن دیکھ کر پڑھنا	۱۳۳
۴۲	قراءتِ جہری وسرّی	۱۳۳
۴۳	تلاوت میں حسنِ صوت	۱۳۴
۴۴	تلاوت کے آغاز وانتہاء میں ربطِ معانی کا لحاظ	۱۳۴
۴۵	حضرت مصلح الامت کی نصیحت	۱۳۷

عرضِ ناشر

چشمِ تصور سے کام لیجئے کہ منیٰ کا میدان ہے حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان فرماتے ہیں تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا
بَعْدَهُمَا کِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ وَلَنْ یَتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ
میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جنکے بعد تم پھر گمراہ نہیں ہو سکتے (ایک) اللہ
کی کتاب، اور دوسری میری سنت، یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے جدا نہیں
ہوں گی جب تک کہ حوض کوثر پر میرے سامنے نہ آجائیں۔

اس اعلان کے بعد آسمان کی جانب تین بار انگشت مبارک اٹھا کر مجمع سے یہ
تصدیق کرائی جاتی ہے کہ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ، اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ، اَللّٰهُمَّ
هَلْ بَلَّغْتُ۔ اے اللہ کیا میں نے تیرا پیغام پہونچا دیا؟ جس موقعہ و ماحول میں
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا، اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امتِ مسلمہ کو کیا پیغام
پہونچانا چاہتے تھے، اور کس نعمۂ سرمدی سے امت کو سرشار و مست دیکھنا پسند
فرماتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات بارگاہِ خداوندی سے عطا ہوئے
ان میں سب سے عظیم الشان، زندۂ جاوید معجزہ قرآن ہی ہے، یہی وجہ ہے جب کفارِ
مکہ نے معجزہ طلب کیا تو بیشمار معجزات کو چھوڑ کر اسی اعجازِ قرآن کیلئے تحدی (چیلنج)
نازل ہوئی، ذرا اس اعلان و چیلنج کا اسلوبِ خداوندی دیکھئے: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ
الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ۔
اے پیغمبر آپ کہدیجئے کہ اگر تمام جن و انس ملکر بھی، چاہیں کہ ایسا کلام پیش کریں تو وہ
لانے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اور ہوا بھی یہی کہ روئے زمین کے تمام ادیبوں اور

شاعروں کی زبانیں اعجازِ قرآن کے سامنے گنگ ہو کر رہ گئیں، اسی کلام کے بارے میں قرآن واحادیث کے ذخیروں میں فضائل ومناقب کے بیشمار جواہر پارے پائے جاتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، اگر یہ قرآن کسی پتھر کے پہاڑ پر نازل ہوتا تو اللہ کی خشیت (اور جلالِ قرآنی) سے وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔" دوسری جگہ ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ، اے لوگو! تمہارے رب کیطرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں کے روگ کیلئے شفاء ہے۔"

اسی کتابِ مبین کی تسخیری ومقناطیسی قوتوں کی کارفرمائی تھی کہ آیاتِ ربانی کو سنکر منکرین ومعاندین کے دلوں میں بھی اک طوفان بپا ہو جاتا تھا، ہلچل مچ جاتی تھی۔ متنبی (عرب کا مشہور شاعر) نگاہ محبوب کی تاثیری قوتوں کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: يَسْتَاسِرُ الْكَمِيَّ بِنَظْرَةٍ (محبوب کی ایک ہی نگاہ زرہ پوش مسلح بہادر کو اپنا اسیر بنالیتی ہے) مگر قرآن کے اعجازی کرشموں پر یہ مضمون زیادہ صادق آتا ہے: قریشِ مکہ کی ہزاروں کوششوں، رکاوٹوں سحر وجادو کی افواہوں کے باوجود جب بھی آیاتِ ربانی ان کے کانوں میں پڑتی تھیں تو کفر وشرک کے ایوان میں زلزلہ آجاتا، سخت ترین قلوب دہل اٹھتے تھے اور دلوں کی دنیا بدل جاتی تھی، ضماد ازدی جو جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے بزعمِ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیوانگی کا علاج کرنے کے لئے آئے مگر لسانِ نبوت سے چند کلمات سنکر متحیر رہ گئے، تین مرتبہ پڑھوا کر سنا، کہنے لگے خدا کی قسم میں نے شاعروں کے قصیدے، جادوگروں کے منتر، کاہنوں کی زبان سنی ہے مگر تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے، یہ تو سمندر تک میں اثر کرجائے گا، اسلام ودینِ محمدیؐ کی روز بروز ترقی وفروغ سے خائف ہو کر جب جادو کہانت وشعر کے ماہر عتبہ کو دربارِ نبویؐ میں یہ معلوم کرنے کیلئے بھیجا گیا کہ آخر

محمدؐ کے پاس کیا چیز ہے، عتبہ نے جا کر صلح کے شرائط پیش کئے، یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فصّلت پڑھی، ابھی چند آیات تلاوت فرمائی تھیں کہ عتبہ کی کیفیتِ قلبی تبدیل ہونے لگی، بے ساختہ حاملِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے لبِ اقدس پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا محمد! تمہاری قرابت کا واسطہ اب بس کرو، پھر کئی روز تک اپنے گھر سے نہیں نکلا۔

مکہ کی دولتمند و بااثر شخصیت ولید بن مغیرہ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پڑھکر سنانے کی فرمائش کی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند آیتیں پڑھکر سنائی تھیں کہ مغیرہ بے خود و سرشار ہو کر پکار اٹھا: خدا کی قسم! اس میں کچھ اور ہی شیرینی و تازگی ہے، اس نخل کی شاخوں میں پھل، اس کا تنہ بھاری ہے یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے، حضرت جعفرؓ نے دربار نجاشی میں شاہ نجاشی کی خواہش وایما پر جب سورۂ مریم کی تلاوت کی، نجاشی کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو گیا، حتیٰ کہ داڑھی بھیگ گئی اور پادریوں کے ہاتھوں میں صحفِ آسمانی ان کے آنسوؤں سے تر بہ تر ہو گئے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کی زخم خوردہ بہن نے جب سورۂ طٰہٰ پر مشتمل قرآن کے اوراق لا کر ان کے ہاتھوں میں دیئے تو قرآنی اعجاز و جلال سے اسقدر متأثر ہوئے کہ خدمتِ اقدس میں اسی دم حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، خود حاملِ قرآن مہبطِ وحی الٰہی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ قرآن کی آیات سنتے اور چشمِ مبارک آنسوؤں سے لبریز ہو جاتیں۔

الغرض اسی قرآن نے انسان کی رگ و پے میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی، تنِ مردہ میں جان آگئی، زندگی حیاتِ طیبہ بن گئی اور قلب قرآنی عطر سے معطر ہو گیا، یقیناً آفتاب کی روشنی سے دنیا کی مادّی و ظاہری اشیاء فیض یاب ہوئیں مگر بنی نوعِ انسان کے قلوب تو اسی قرآن و ایمان سے منور ہوئے مولانا حالیؔ کی بلیغ ترین تعبیر کے مطابق ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی | عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
اک آواز میں سوتی بستی جگادی | نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی

اسی لگن کا نتیجہ تھا کہ ان لوگوں نے اس کتابِ ہدایت کو ریشمی جزدانوں میں رکھ کر طاق و محراب کی زینت نہیں بنایا بلکہ خدا کی شریعت، قدرت کا قانون یقینی طور پر مان کر زندگی کا نصب العین بنایا، ان کا یہ حال تھا کہ وہ جب قرآن کھولتے تو ان کے دل کی کیفیت دگرگوں ہو جاتی، قرآن کے انھیں اوراق میں ایسی لذت وحلاوت ملتی کہ دنیا و مافیہا کی کوئی شئی انکی توجہ میں حائل نہیں ہو سکتی تھی۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ رات رات بھر اک آیت کی تلاوت میں گذار دیتے تھے، حضرت عکرمہؓ قرآن کے اوراق کھولتے اور ھٰذا کلامُ رَبّی، ھٰذا کَلامُ رَبّی کہہ کر بے ہوش ہو جاتے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کو نماز کے دوران ایک بھڑنے کاٹنا شروع کیا مگر نماز نہ توڑی، نماز سے فراغت کے بعد لوگوں سے کہا دیکھو میرے کرتے کے اندر کوئی چیز تو نہیں ہے، دیکھا گیا تو بھڑ برآمد ہوئی کئی جگہ اس کے کاٹنے سے ورم ہو گیا تھا، لوگوں نے دریافت کیا، آپ نے نماز کیوں نہیں توڑی فرمایا کہ کُنْتُ فِی سُوْرَۃٍ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُتِمَّھَا میں ایک سورہ کی تلاوت میں مشغول تھا جی یہی چاہا کہ اسکو ختم کر لوں۔

اللہ اللہ! جن نفوسِ قدسیہ کا کلامِ الٰہی کے ساتھ عظمت واحترام، ایمان ایقان عشق وراِفتگی کا یہ عالم ہو تو کیا مالکِ کلام کی نظرِ عنایت ورحمت ان پر نہ ہوتی تاریخ شاہد ہے کہ پھر اس عظمت واحترام اور سچے عشق کے صلہ میں آخرت کی موعودہ نعمتِ عظمیٰ کے علاوہ اس دنیا میں ہر طرح کی سربلندی وسیادت نصیب ہوئی مگر ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ قرآن کے انھیں اوراق میں پانیوالوں کو لذت وحلاوت کی وہ چاشنی ملی کہ دنیا کی ہر شئی اس نعمتِ عالیہ کے سامنے ہیچ ہو گئی، کیا ہمیں لذت وحلاوت کا ادنیٰ حصہ بھی ملتا ہے؟ یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ہڈیوں وچمڑوں پر لکھے ہوئے قرآن کو پڑھکر اسلاف کرام سعادتِ

دارین سے سرفراز ہوئے مگر اعلیٰ ترین طباعت، نفیس ترین کاغذ پر مشتمل قرآن کے
باوجود آج کا مسلمان کن مسائل و حالات سے دوچار ہے، ذلت و نکبت، رسوائی
و پستی کی کونسی کسر رہ گئی ہے جو باقی ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب وقت کے
عارف باللہ مصلح الامت جدامجد مولانا شاہ وصی اللہ نور اللہ مرقدہٗ کی زیر نظر کتاب
تلاوتِ قرآن کا ویگا، صفحہ صفحہ پڑھ جائیے، حضرت والاؒ مسلمانوں کے عالمگیر ذہنی انحطاط
اور عوام بلکہ خواص کی قرآن سے بے اعتنائی پر کتنے بے چین و مضطرب معلوم ہوتے
ہیں، اس عمومی و خصوصی بے التفاتی و بے توجہی، بداعتقادی پہ ضرب لگانے والی،
غافلوں کو جگانے والی اور بیداروں کو مست و سرشار کرنیوالی حضرت اقدس ہی
کی ذات تھی، سطر سطر میں کرب ہے، ورق ورق میں سوز و گداز کی تپش ہے۔
حضرت والا قدس اللہ سرہٗ نے جس انداز سے مختلف اسلوب و پیرایۂ بیان اور اپنے
مخصوص لب و لہجہ میں رسمی و نفاقی تلاوت، سرسری و لسانی قرارت، نفاق سے بھرے
عظمت سے خالی قلوب و نفوس پر قرآن و سنت و اسلاف عظام کے فرمودات کی
روشنی میں جو ضرب کاری لگائی ہے وہ اک شاہانہ کلام پہ کلام شاہی معلوم ہوتا ہے۔
حیرت ہوتی ہے کہ جس کتاب ہدایت کے بارے میں لوگوں کا یہ تاثر رہا ہو کہ یہ سمندر
کی گہرائیوں میں اتر کر جائیگا، خود نازل کرنیوالے کا یہ بیان نص میں وارد ہے کہ
اگر اس کا نزول جامد و بے حس پتھر پر ہوتا تو خشیتِ الٰہی سے وہ بھی ریزہ ریزہ
ہوجاتا لیکن آج اگر اثر نہیں ہوتا یا نہیں کرتا تو ہم مسلمانوں کے دلوں پر حضرت
مصلح الامت یہ عمومی پستی دیکھتے ہیں، ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے، وہ کہتے
ہیں کہ عوام و خواص شعراء کے دیوان، مصنفین کے کلام اور دنیا بھر کے مضامین
سے خوب دلچسپی لیتے ہیں، اگر دلچسپی نہیں لیتے تو اسی قرآن مظلوم سے، اور اگر لیتے بھی
ہیں تو بس سرسری و ظاہری ورق گردانی کی حد تک، بقول شاعر ؏

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی

اک مصلحِ وقت، نبض شناس امت کی نگاہ دیکھ رہی تھی کہ مسلمانوں پہ رت نئی

آفات کا نزول ہورہا ہے، بیکسی و بے لبسی کے گوناگوں مشاہدات ان کے سامنے تھے، گھر گھر فساد تھا، ہر طرح کا بگاڑ تھا، دنیاوی عروج تو ختم ہوا ہی تھا اک دین واسلام کا ماخذ اللہ تعالیٰ سے رابطہ وقرب کا ذریعہ قرآن تھا، اس کے ساتھ بھی برتاؤ عامیانہ بے التفاتی و بے توجہی کا تھا۔ وہ یہ بھی مشاہدہ کررہے تھے کہ وہی یہ دولت وسرمایہ ہے جس کے عشق ومحبت میں اللہ کے مخلص بندوں نے اپنا سارا سرمایہ لٹا دیا اور زندگی کا ورق ورق اسی کے نذر ہوکر رہ گیا مگر آج مسلمانوں کی ذہنی پستی اور اغیار کے فکر ونظر سے مرعوبیت کا یہ حال ہے کہ قرآن جیسی عظیم دولت کے حفظ پر ثواب آخرت کے علاوہ کوئی دوسری شئی آمادہ کرنیوالی نہیں رہ گئی ہے۔ انکی چشم بینا یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ جن گھرانوں وخاندانوں سے قرآن کا نور پھیلا کیسے کیسے مفسرین وماہرین پیدا ہوئے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی، آج انھیں گھرانوں میں قرآن ودین اک اجنبی و بے کس یتیم بن کر رہ گیا ہے۔ اُن خانوادوں کے چشم وچراغ عربی زبان تک سے واقف نہیں ہیں۔ اس پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے، اپنے وقت و دور کے مصلح امت کی نگاہوں کے سامنے یہ دلدوز مناظر تھے اور ان کے دل پہ قیامت گذر رہی تھی، وہ زبانِ حال سے گویا تھے۔ ع

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مگر باایں ہمہ اس ہمت شکن ماحول میں بھی اس کتاب (تلاوتِ قرآن) کے ذریعہ حضرت والا قدس اللہ سرہٗ نے جو پیام دیا وہ یہی کہ مسلمانوں کے تمام امراضِ روحانی وجسمانی کا علاج اسی قرآن میں ہے، مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑا تو اللہ کی ذات بے نیاز نے انھیں بے یار ومددگار چھوڑ دیا، انھوں نے اس کتابِ ہدایت کو بنظرِ حقارت دیکھا، عزت وذلت کے مالک نے دنیا کے ہر میدان، زندگی کی ہر دوڑ میں انھیں ذلیل وپست کردیا۔

سیدنا عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو رفعت و بلندی بخشیں گے اور کئی قوموں کو اسی کی وجہ سے ذلیل و پست فرما دیں گے "

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت مصلح الامت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی دونوں ہی صفت ہے جیسے اس پر ایمان لانے، اس کی تعظیم و تکریم کرنے، اسکی تلاوت کرنے سے عزت و رفعت ملتی ہے، ویسے ہی یہ بھی ہے کہ اس پر ایمان نہ لانے، اس کی تعظیم و توقیر نہ کرنے، اور اس کی تلاوت نہ کرنے سے پستی بھی ملتی ہے۔ چنانچہ آج ہم لوگ جو ذلیل و خوار ہیں، دنیا میں ذلت و ساقط الاعتبار ہیں اس کی وجہ اغیار نہیں ہیں، بلکہ اسکے سبب خود ہم لوگ ہیں کہ ہم نے کتاب اللہ سے تعلق کو قطع کر دیا۔

اس کتاب میں عامۃ الناس اور ان کے عمومی احوال کا ذکر بھی ہے جن کی الماریوں میں یہ ہدایت نامہ ریشمی جزدانوں میں لپٹا ہوا محض زینت کا سامان ہے مگر ان کا دل قرآن کی جلالت وعظمت سے خالی ہے، انکی تلاوت بھی سرسری و لسانی ہوتی ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے الفاظ میں کہ ایسا تو بہت ہوتا ہے کہ دل میں ایک بات نہیں ہوتی اور اس کے خلاف ظاہر کیا جاتا ہے، قلب میں تعظیم نہیں ہوتی اور اظہارِ تعظیم کیا جاتا ہے، یہود و نصاریٰ کا یہی حال تھا۔الخ
اس کتاب میں امت کے علماء و مخصوصین کا بیان بھی ہے جن کے قلوب و اذہان مضامین قرآن سے خالی ہیں اور ان کا ذوق بھی اس سے محروم و تشنہ ہے، اس بدذوقی پر ایسی تنبیہ، زجر و توبیخ پر مشتمل ایسی تلملا دینے والی بات، خدا کی جانب سے منصب پر فائز اک مصلح ہی کہہ سکتا تھا، ان ہی کے زبان میں سنئے!

" اب علماء کو قرآن پاک کے مضامین سے ذوق نہیں رہا اور نہ ان مضامین سے انکو حظ باقی رہا (یعنی لطف نہیں آتا ہے) الا ماشاء اللہ۔ یہ حضرات خود تلاوت میں تقصیر کرتے ہیں :...... آگے فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے بس اس کو پرانی کتاب سمجھ لیا ہے، اس کے مضامین کو دیرینہ خیال کر لیا ہے،...

اب ہم کو ان مضامین کے بیان کرنیکی ضرورت نہیں ہے ہم کو بس ایسی نئی نئی باتیں بیان کرنی چاہئے جس سے لوگ واہ واہ کریں، پس جب یہ مقصود حاصل ہوجاتا ہے تو قرآن پاک کے مضامین میں مزید تدبر و تفکر کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔"

اذہان و قلوب میں راسخ اس پھیلی ہوئی بداعتقادی پر بطور خاص تنبیہ فرمائی کہ ولایت و بزرگی نسبت مع اللہ و فنائے نفس میں تلاوتِ قرآن کا وہ درجہ نہیں ہے جو مروجہ اوراد و وظائف کا ہے، اس کے علاوہ آج کل اس نعرہ کا بڑا زور ہے کہ معانی و مطالب سمجھے بغیر صرف تلاوت اک غیرضروری و بے فیض عمل ہے۔ اس غلط نکتہ و گمراہ کن نظریہ کیوجہ سے ان نادانوں نے کتنے لوگوں کو اپنے دامِ فریب میں لیکر قرآن کی تلاوت و قرارت سے روک دیا۔ جیساکہ دستور ہے کہ عوام کا ایک طبقہ بدعقیدگی کی جال میں جیسے پھنسنے کیلئے تیار و آمادہ رہتاہے کہ اک نعرہ لگایا گیا اور پرجوش حامیوں کی ایک جماعت سمع وطاعت کیلئے تیار ہوگئی، یہاں بھی یہی ہوا، آپ دیکھتے ہوں گے کہ قرآن فہمی کے جھوٹے دعویٰ کے زعم میں خود بھی تلاوت نہیں کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کی ترغیب بھی دیتے ہیں، حضرت اقدسؒ نے ان اعتقادات کے اس بگاڑ پر احادیث و علماء محققین کی تصریحات کی روشنی میں ناصحانہ و حکیمانہ کلام فرمایا ہے اور ان غلط افکار و نظریات کی نفیس انداز میں تردید فرمائی ہے۔

کتاب ہٰذا کے انھیں صفحات میں ان قرا، حضرات کی خبر لی گئی ہے جو شہرت، نام و نمود، کسب معاش کی نیت سے قرارت کرتے ہیں اور اسی نیت سے تجوید و تصحیح حروف پر پوری قوت صرف کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایسے لوگ کثرت سے موجود ہیں، ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں کہ محض علم تجوید کو حاصل کرلینے اور زبان درست کرلینے کو کافی سمجھتے ہیں، خشوع وخضوع اور تأثر کا ذرا ارادہ نہیں کرتے۔

غرض حضرت مصلح الامت نے قرآن کی عظمت وجلالت وافادیت پر رنگا رنگ نعمتوں کا دستر خوان چن دیا ہے اور تلاوت مع التصدیق کے فضائل ومناقب سے ذہنی قوتوں وعملی توانائیوں میں نئی زندگی کی روح پھونک دی ہے کہ ؎

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی ؛ ورنہ یہاں کلی کلی مست خوابِ ناز تھی

فجزاہُ اللہ عنا وعن المسلمین جمیعًا

ذرا اسی عمومی بے اعتنائی وبے التفاتی پر تورات کا وہ اقتباس پڑھئے جو حضرت والا علیہ الرحمہ نے بحوالہ احیاء العلوم نقل فرمایا ہے کہ میرے بندے! جب تمہارے پاس چلتے ہوئے حال میں بھی کسی بھائی کا خط آتا ہے تو تم اک کنارے بیٹھکر اسی وقت پوری توجہ کے ساتھ اک اک حرف کو پڑھتے ہو کہ کچھ چھوٹنے نہ پائے مگر میں نے جو کتاب تمہارے نفع وبھلائی کے لئے تمہارے پاس بھیجی، تم اس سے کس طرح اعراض کر رہے ہو، کیا میں تمہارے کسی بھائی سے بھی کمتر ہوں ؟

یہ کلام، یہ انداز دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والا ہے۔ کاش غیرتِ ایمانی اُبال کھائے، حمیتِ اسلامی جاگ اٹھے اور قرآن اسی عظمت واحترام، اخلاص و تصدیق کے ساتھ پڑھا جائے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت، اس سے اونچی کوئی دولت نہیں ہے تو ناممکن ہے کہ قرآن اثر نہ کرے، قلب وروح میں لطافت، صفائی وپاکیزگی پیدا نہ ہو، انشاء اللہ حیوانیت دور ہوگی، نفسانیت کا خاتمہ ہوگا، مومن اپنے اندر نئی زندگی وتوانائی محسوس کرے گا اور حضرت والا قدس سرہٗ کے بتلائے ہوئے اصول وضابطہ کے مطابق اگر تلاوت کا تسلسل جاری رہا تو کیا عجب قلب کا زنگ دور ہو جائے اور اسی زنگ آلودہ قلب میں ایسی جلا پیدا ہو کہ پھر کسی کا عکس قبول کرنے کے لئے بھی دل بے چین وبے قرار ہو اٹھے، بقول شاعر ؎

جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نئے جوہر ہوئے پیدا مرے آئینے میں

اللہ رب العزت ہم سب کو تلاوت مع التصدیق کی توفیق عطا فرمائے اور قرآن کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ الفاظ میں دل کی بہار، آنکھ کا نور، غم کی کشائش، فکر و پریشانی کا دفعیہ بنا دے۔ آمین

احمد متین عفی عنہ
خانقاہ مصلح الامۃ
۲۳ روشن باغ الٰہ آباد

مُقَدّمَہ

الحمد للہ الذی انزل القرآن وشرفنا بحفظہ وتلاوتہ وتعبدنا بتدبرہ ودراستہ وجعل ذلک من اعظم عبادتہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ دلت علیٰ وجودہ المصنوعات وشھدت بجمالہ وکمالہ وعظمتہ الآیات البینات واشھد ان سیدنا محمدًا رسول اللہ القائل فیما یرویہ عن رب العالمین (من شغلہ القرآن و ذکری عن مسئلتی اعطیتہٗ افضل ما اعطی السائلین) صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین حازوا الدرجۃ العلیا فی حفظ القرآن والعمل بشروطہ وآدابہ۔

اَمَّا بعد:۔ کمترین خدام عرض پرداز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے علماء و مصلحین امتِ محمدیہ میں پیدا فرماتے رہیں گے جو لوگوں کے اعمال و احوال کو شریعتِ مقدسہ کی میزان پر وزن کرینگے اور کتاب و سنت کے معیار پر منطبق کرینگے۔ اگر موافق پائیں گے تو اس کو قبول کرینگے اور اس کے حق و صواب ہونیکا فتویٰ دینگے، اور اگر مطابق نہ پائیں گے تو اس کو رد فرمادینگے، اس پر نکیر کریں گے، بیشک یہی لوگ ورثاء انبیاء علیہم السّلام اور حفاظِ شریعت ہوں گے اور انھیں حضرات کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی)

یہی حضرات اللہ کے دین کو غیر دین کے اختلاط سے محفوظ رکھیں گے، سنت و بدعت کو ایک دوسرے سے ممتاز رکھیں گے، نوازل و حوادث کا حکم قواعدِ شرعیہ سے استنباط کرینگے، امت کو اس بات سے آگاہ کریں گے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق تھے اور اب ان اخلاقِ نبویہ کے بالکل برعکس اخلاق اختیار کرلئے گئے ہیں، جو آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھلاتے تھے۔ ہم نے ان کے خلاف اپنا طریقہ بنالیا ہے، پھر بھی اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ ہے تو یہ بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل ہے ۔

تعصی الرسول وانت تظہر حبہ   ھذا العمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقا لاطعتہ   ان المحب لمن یحب یطیع

جو لوگ اس شان کے ہوتے ہیں زمین میں یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ،

عن الحسن انہ قال لن یزال للہ نصحاء فی الارض من عبادہ یعرضون اعمال العباد علی کتاب اللہ فاذا وافقوہ حمدوا اللہ و اذا خالفوہ عرفوا بکتاب اللہ ضلالۃ من ضل وھدی من اھتدی فاولئک خلفاء اللہ۔

حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ ایسے ناصحین برابر ہوتے رہیں گے جو بندگانِ خدا کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش فرماتے رہیں گے۔ جب کتاب اللہ کے موافق پائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرینگے اور جب مخالف پائیں گے تو ضالین کی ضلالت اور مہتدین کی ہدایت کو کتاب اللہ ہی سے پہچانیں گے اور یہی لوگ خلفاء اللہ ہوں گے۔

حضرت مصلح الامت، محی السنۃ، مرشد الانام الی الطریق القویم و ہادی الخواص والعوام الی الصراط المستقیم مخدومنا و مقتدانا حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کی تعلیمات جو عین کتاب و سنت کے مطابق ہیں انکو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیشک آپ خلیفۃ اللہ فی الارض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب ہیں اور دین متین کے صحیح معنوں میں خادم اور شرع شریف کے

ترجمان ہیں۔

یوں تو ہر ہی دور میں دین کی خدمت دشوار رہی ہے۔ اور اس میدان کے مرد کم ہی لوگ ہوئے ہیں، خصوصاً اس صدی میں جبکہ زمانہ عہد نبوی سے بہت ہی بعید ہو گیا ہے، دین کا کام کرنا نہایت مشکل و دشوار ہو گیا ہے اس لئے کہ حال یہ ہو گیا ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ لیا گیا ہے، سنت و بدعت کا امتیاز اٹھ چکا ہے، راہِ ہدایت و ضلالت باہم مخلوط ہو گئی۔ مکر و خداع کو ہنر و ہوشیاری، نفاق و چالبازی کو حسن و محمود سمجھ لیا گیا ہے تو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ دین کا نام لینا اور اخلاص و صدق کیطرف دعوت دینا ہی ایک اہم امر اور دشوار مسئلہ ہے۔ اور جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں دہکتا ہوا شعلہ لینا ہے۔ مگر حضرت مولانا و مرشدنا دامت برکاتہم بلا پروائے لومۃ لائم حقیقی دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ اخلاص و نفاق پر نہایت بسط سے کلام فرما رہے ہیں۔ کتاب و سنت اور اکابرِ امت کے کلام سے نفاق کی مذمت اور قباحت کو بیان فرماتے رہتے ہیں کہ یہ ایسا قلبی مرض ہے کہ صحابہ کرامؓ باوجودیکہ ان حضرات میں اس مرض کا شائبہ اور اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا مگر وہ اپنے کو اس مرض سے مامون نہیں سمجھتے تھے، ڈرتے ہی رہتے تھے۔ اور اب یہ حال ہے کہ سب علاماتِ نفاق پائی جاتی ہیں، تمام اخلاق و اعمال منافقین کے اختیار کر لئے گئے ہیں، نہ مسلمانوں کے اخلاق ہیں اور نہ ان کے جیسے اعمال و اقوال۔ پھر بھی اپنے کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی جیسا سمجھ رہے ہیں۔ پہلے کے لوگوں کو تو اخلاص و صدق بہت دنوں کے بعد حاصل ہوتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ ابتداء ہی سے اپنے کو مخلص سمجھتے ہیں۔ یہ ضلالت نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت مولانا دامت برکاتہم اس مرض میں عام ابتلاء دیکھ کر شد و مد سے اخلاص و نفاق کے مفہوم و علامات کو واضح فرما رہے ہیں اور یقیناً اس زمانہ میں دین کے اہم شعبہ بلکہ اصل شعبہ کی تجدید و احیاء فرما رہے ہیں۔ اگر کسی کو اخلاص و نفاق پر مفصل مضمون دیکھنا ہو تو تحذیر العلماء، وصیۃ الاحسان اور وصیۃ الاخلاص کا مطالعہ کرے۔

حضرت والا کی دعوت و تبلیغ کی یہ خصوصیت ہے کہ ایسا طرز موقع کے موافق اختیار فرماتے ہیں گویا ارشاد باری تعالیٰ "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ" کی عملاً تفسیر فرما رہے ہیں۔ اور الحمد للہ اس ارشاد کے مطابق عمل کرنے کے برکات بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو دین سے ناآشنا بلکہ معاند و منکر تھے اور اپنے پروردگار سے رشتہ توڑ چکے تھے بفضلہ تعالیٰ دین و ایمان سے وابستہ اور نمازی ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق درست ہو رہا ہے اور یہ کسی اہل دیانت و فہم و فراست پر مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک صاحب (جو ماشاء اللہ فہیم اور شاعر ہیں) حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو الٰہ آباد میں فیوض عامہ کو دیکھ کر اپنے تأثرات کا اس شعر میں اظہار فرمایا ؎

اب الٰہ آباد میں ساماں ہیں بہبود کے ‌ ‌ ‌ ‌ رشتے جوڑے جاتے ہیں یاں عبد اور معبود کے

حضرت مولانا دامت برکاتہم کی تعلیمات و اصلاحات میں سے ایک اہم تعلیم و اصلاح یہ ہے کہ فرائض کا خاص اہتمام کرنا اور اسکو نفل سے افضل سمجھنا چاہیے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا قرب فرائض میں رکھا ہے دوسرے اذکار و نوافل میں نہیں رکھا۔ اب یہ بدعت اعتقادی ہو گئی ہے کہ فرائض میں ولایت اور قرب خداوندی اس قدر نہیں سمجھتے جتنا اس سے کم درجہ کی عبادات میں، حالانکہ یہ بات حدیث قدسی مَا تَقَرَّبَ عَبْدِیْ اِلَیَّ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ (الحدیث) کے صریح مخالف ہے۔ مصلحین امت نے اس مسئلہ کو اپنے اپنے زمانہ میں چھیڑا ہے اور لوگوں کو اس بدعقیدگی سے تحذیر فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ، حجۃ الاسلام ابو حامد غزالیؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی جیسے مصلحین نے اس بدعت کی خوب خوب تردید فرمائی ہے تو آخر ان حضرات کے عہد میں بھی یہ ضلالت رہی ہو گی جب ہی تو ان کو اس پر کلام کرنیکی ضرورت پڑی۔ حالانکہ عہد نبوت سے وہ دَور قریب تر تھا۔ سنت سے اس قدر بُعد نہیں ہوا تھا تاہم یہ حماقت و ضلالت آچکی تھی تو اس زمانے میں تو جو کچھ بھی نہ ہو جائے کم ہی ہے۔ اس لئے حضرت مصلح الامت دامت برکاتہم نے بھی اس بدعقیدگی کی پوری قوت سے

تردید فرمائی۔ اور حقیقتِ مسئلہ کی توضیح فرمائی اور ایک مستقل مضمون ہی اس پر تحریر فرمایا جو رسالہ معرفتِ حق شعبان ۱۳۸۳ھ میں شائع ہو چکا ہے، اسکو ضرور ملاحظہ فرمالیا جائے انشاء اللہ بصیرت افروز اور نفع بخش پائیں گے۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم کی اہم تعلیم یہ بھی ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی تلاوت کثرت سے کرنی چاہئے۔ تلاوت کیلئے اس کی فہم شرط نہیں بلا فہم بھی موجب قرب ہے اور یہ بھی اجر و ثواب کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ خیال کہ "ہم معانی نہیں سمجھتے اسلئے تلاوت سے کیا فائدہ" یہ زبردست ضلالت اور ایک بہت بڑی نعمت سے حرمان ہے۔ غرض حضرت مولانا نے تلاوت کی اہمیت اور عظمت کو اس طرح بیان فرمایا کہ سامعین کے قلوب اس کی عظمت سے بھر گئے۔ نیز تلاوت کے شرائط و آداب کو اس مؤثر انداز سے پیش فرمایا کہ لوگوں نے ان آداب کی رعایت کے ساتھ تلاوت شروع کر دی۔ اور اب عام طور پر عوام و خواص کو اس کیوجہ سے نفع ہو رہا ہے، جس کا اظہار حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں کیا کرتے ہیں نیز دوسری عبادات پر بھی اس کا اثر ہو رہا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات نے صراحت سے یہ فرمایا کہ "جب سے تلاوت کا اہتمام کیا ہے نماز کی بھی اصلاح ہو رہی ہے۔" ظاہر ہے کہ جب نماز کی اصلاح ہو جائے گی تو انشاء اللہ پھر سارا دین ہی درست ہو جائیگا۔ اور منکرات و منہیات سے اجتناب بھی اسکو آسان ہو جائے گا جیساکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے جو عمل نہیں ہو رہا ہے تو اس کی وجہ ایمان میں نقصان ہے، اور ایمان کامل ہو نہیں سکتا جب تک تلاوتِ کلام اللہ نہ کی جائے اسلئے کہ تلاوتِ کلام اللہ میں ازدیادِ ایمان کا خاصہ ہے۔ جب تلاوت کی جائے گی تو ایمان ضرور بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا (جب ان کے سامنے اللہ کی کتاب کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان آیات سے ان کا ایمان ترقی کرتا ہے)

مگر تلاوت اللہ تعالیٰ پر کامل اعتقاد اور کلام اللہ کی عظمت و منزلت کے استحضار کے

ساتھ کرنی چاہیئے۔ قبلِ تلاوت اور اثنائے تلاوت میں ایمان و تصدیق قلب میں حاضر کرنا چاہیئے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور اس میں جتنے احکام و قصص درج ہیں سب حق ہیں۔ تو جب اس طرح تلاوت کی جائیگی تو یہ تلاوت ایمان سے ناشی ہوگی۔ پھر اس کے ثمرات و نتائج بھی مرتب ہوں گے۔ اس لئے کہ اعتقاد فی نفسہٖ خود بھی کمال ہے اور جملہ کمالات کا موجب بھی ہے۔ اعتقاد ہی اصل اور زبردست کارفرما ہے، جملہ اعمال اس کے تابع اور ماتحت ہیں۔

مگر شومیٔ قسمت کہ آج مسلمانوں سے اعتقاد ہی رخصت ہو گیا، اخلاص کا نام و نشان ہی نہیں رہ گیا اگر کچھ تلاوت کرتے بھی ہیں تو سالہا سال محض سرسری کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے اس کا صاف اعتراف کر لیا اور لکھا کہ "ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ تلاوت نہ کی ہو مگر ہاں محض لسانی اور سرسری کرتا رہا، جسکی وجہ سے ابتک محروم رہا" اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ خدا کے کلام کی تلاوت اور سرسری! یہ تو نفاقی تلاوت ہے اللہ تعالےٰ کے نزدیک تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔

یہی دیکھ لیجئے کہ اسی قرآن سے کتنے کافروں کو ہدایت ہوئی اور مسلمانوں کو اسی قرآن سے بڑے بڑے مراتب و درجات ملے، کیسی کچھ عزت و عظمت ملی۔ مگر آج جو ہم ذلیل و خوار ہیں اور ضلالت میں مبتلا ہیں تو اسکی وجہ لامحالہ یہی تجویز کی جائے گی کہ ظاہراً تو کلام اللہ سے اظہارِ تعلق کرتے ہیں اور اس کی تلاوت بھی کرتے ہیں مگر دل میں جو اعتقاد و تعظیم ہونی چاہئے نہیں رہ گئی ہے، باطنی رشتہ اس سے منقطع سا ہو چکا ہے اسی لئے یہ روزِ بد دیکھنا پڑ رہا ہے اور آخرت میں جو وبال و عذاب ہوگا اس کا کسی کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے جبکہ خود قرآن اپنے نبذ و ترک کی نالش و شکایت اللہ تعالےٰ کی جناب میں کرے گا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا وَاَعِذْنَا مِنْهَا وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

آپ کے منجملہ ارشادات کے یہ بھی ہے کہ عوام کو ہم پڑھے لکھوں سے زیادہ مخلص سمجھتے ہیں یہ بیچارے اپنی بساط کے موافق خدمت دین کی کر رہے ہیں، مدرسوں کی

امداد کرتے ہیں، مدرسے قائم کرتے ہیں مگر ہم پڑھے لکھے لوگ اپنی بساط بھر بھی خدمت نہیں کرتے ہم بھی مخلص ہوں تو بہت کچھ کام ہو جائے۔

قرآن کریم کے برکات دین و دنیا دونوں میں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اسی قرآن کی بدولت روٹی کھاتے ہیں اور اسی کیوجہ سے عزت ملتی ہے پھر بھی اسکی طرف سے غافل ہیں۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ تلاوت بھی نہیں کرتے۔ یہ کس قدر حق تلفی اور بے انصافی کی بات ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!

سچ ہے آج کل جو گمراہی ہے تو اسکی وجہ ہمارا ہی قصور اور ہماری ہی کوتاہی ہے۔ ہم عوام کے سامنے قرآن و حدیث کب پیش ہی کرتے ہیں جس سے انکا ایمان تازہ ہو اور انکو کام کی باتیں معلوم ہوں۔ ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث پر تو مسلمانوں کا ایمان ہے اس کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں تو کتاب و سنت ہی پیش کر کے انکو مجوج کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی سے ان پر اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ اسی سے ان کے امراض کا علاج اور ضلالت کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ دوسرے کلام خواہ وہ کتنے ہی اچھے ہوں اور مؤثر بھی ہوں لیکن ان پر ایمان تو نہیں اور نہ وہ فصاحت و بلاغت اور تاثیر ہی میں خدا کے کلام کے برابر ہو سکتے ہیں۔ اسلئے ہدایت و اصلاح دوسرے کلام سے نہیں ہو سکتی۔ ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو نازل فرمایا ہے۔ قرآن ہی کے متعلق یہ ارشاد ہے هُدًى لِّلنَّاسِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ۔ تو جیسے آپ کی رسالت کافۂ ناس کے لئے ہے ویسے ہی آپ کی کتاب منزل بھی کافۂ ناس کیلئے اور قیامت تک کیلئے ہے۔ کتاب اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے اور اسی سے آپکی نبوت کا احقاق و اثبات ہوا۔ اب اس کتاب کے بعد کوئی دوسری کتاب نازل نہ ہو گی۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس میں جیسے اصل مقاصد کو نہایت بسط سے بیان فرما دیا ویسے ہی اس کے طرق و

وسائل کو بھی واضح فرما دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل اور حال کتاب اللہ کا ترجمان اور شرح ہے وَکَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن، اس لئے اب بعد میں کتاب و سنت کے خلاف کوئی جدید مقصد یا نیا وسیلہ و طریقہ اختیار کیا جائے گا تو وہ بدعت و ضلالت ہو گی۔ اس کا کسی کو اختیار نہیں کہ کتاب و سنت سے سر مو تجاوز کرے پس جب قرآن چھوڑ دیا گیا اور اس کے اصول کو ترک کر دیا گیا تو پھر ہدایت کہاں رہی ؎

چوں ترک قرآں کردہ آخر مسلمانی کجا
خود شمع ایماں کشتہ پس نور ایمانی کجا

خود غور فرمایئے کہ جب طلباء مدارس میں طالبعلمی کی حالت میں قرآن پاک سمجھ کر نہ پڑھیں گے، اس سے ذوق و مناسبت نہ پیدا کریں گے تو بعد میں ان سے کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ لوگ سمجھیں گے اور دوسروں کو سمجھائیں گے۔ آج جو قوم کا بیڑا ہو رہا ہے تو اسی لئے کہ ہمارے طلبہ قرآن پاک کیطرف اصلاً التفات نہیں کرتے اور نہ اس سے ربط و ضبط پیدا کرتے ہیں ان کا مذاق ہی بدل گیا ہے۔ انکی یہ نیت ہی نہیں ہوتی کہ ہم قرآن سے تعلق پیدا کریں اور خدا کے کلام کی مراد کو سمجھیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے فیوض و برکات اور علوم و معارف کو ان پر بند رکھا ہے۔ ذرا بھی قرآن کے معانی ان پر منکشف نہیں ہونے دیتا، تو ایسے لوگوں سے بھلا کیا ہدایت ہو گی؟

حضرت مولینا دامت برکاتہم نے اسی کے متعلق ایک نہایت ذی استعداد عالم سے استفسار فرمایا تو انھوں نے یہ جواب میں تحریر فرمایا (یہ بالکل حقیقت ہے کہ عربی مدارس میں قرآن پاک اور اس کی تفسیر کا اہتمام نہیں ہے یہ مجھ پر خود بیت چکی ہے۔ اس لئے حضرت والا کی اس کوشش کی دل سے قدر ہوئی کہ نہایت اہم موضوع کیطرف متوجہ فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پورا نفع اٹھانیکی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین)

اس میں شک نہیں کہ حضرت مولینا دامت برکاتہم کو قرآن پاک سے ایک خاص ذوق حاصل ہے شب و روز اسی کا شغل رہتا ہے اور آپ کے اکثر بیانات آیات قرآنیہ

ہی کی تفسیر و تشریح میں ہوا کرتے ہیں۔ معتبر و مسلم تفاسیر مثلاً روح المعانی، تفسیر مظہری، ابن کثیر، بیضاوی، تفسیر کشاف کی کثرت سے مراجعت فرماتے رہتے ہیں اور الحمد للہ غایتِ مناسبت کی بناء پر علوم و نکات مستحضر بھی رہتے ہیں۔ اس لئے اکثر ہر مسئلہ و حادثہ کا حکم کتاب و سنت ہی سے بیان فرماتے ہیں۔ ہاں اسکی تشریح و توضیح میں اپنے اکابر کے ارشادات و حکایات اور انکی سیرت کو بھی کثرت سے پیش فرماتے رہتے ہیں۔ ہاں مگر انکا درجہ اصل جیسا نہیں ہونے پاتا۔ اگر کسی بزرگ کا قول و فعل اصولِ شرعیہ کے مزاحم معلوم ہوا تو اس کی تطبیق اور لطیف عنوان سے توجیہ فرما دیتے ہیں اسلئے کہ کسی کا قول و فعل کتاب و سنت پر حجت نہیں۔ کتاب و سنت ہی علی الاطلاق سب پر حجت ہے ان سے کسی کو بھی مجال خلاف نہیں اور یہ آپ کے اصلاح و تربیت کی خصوصیت ہے فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اور اس کا نفع بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ ایک بڑے عالم نے جو الٰہ آباد تشریف لائے تھے واپسی کے بعد ایک صاحب سے یہ فرمایا کہ (میری حاضری کے وقت حضرت کسی جگہ تشریف لے گئے تھے اس لئے زیارت تو نہ ہو سکی مگر وہاں کے طلبہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان کے چہروں میں وہ نورانیت دیکھی جو کہیں نظر نہ آئی۔ اور یہ بھی کہہ رہے تھے کہ حضرت کا طریق اصلاح جلد ہی ہمہ گیر ہو جائیگا۔ میں نے الٰہ آباد میں کافی تغیر اور میلان الی الدین دیکھا جو حضرت کے وجود کی برکت معلوم ہوتی ہے)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ ہر طبقہ میں کسی نہ کسی درجہ میں کلام اللہ کے فہم و تلاوت اور اسکے شرائط و آداب کی رعایت میں کوتاہی ہو رہی ہے تو آپ نے عوام و خواص سب کو اسکی طرف متوجہ فرمایا اور شد و مد سے اس موضوع پر کلام فرمایا۔ لوگوں کو انکی عملی اور اعتقادی کمزوریوں پر آگاہ فرمایا جس سے لوگوں کو بہت نفع ہوا۔ اور اب بھی حضرت مولانا نئے نئے انداز و مختلف عنوان سے بیان فرماتے ہی رہتے ہیں اور ایسا دلکش و دلچسپ کلام ہوتا ہے کہ نہ طبیعت سننے سے اکتاتی ہے اور نہ وہ بیان فرسودہ معلوم ہوتا ہے ؎

وہی اک بات جو سو بار گذری ہے نگاہوں سے
زبانِ شیخ پر آکر نئی معلوم ہوتی ہے

بلکہ ہر مرتبہ تازگی محسوس ہوتی ہے اور عمل کا جوش اور شوق پیدا ہوتا ہے بیشک اہل اللہ کا کلام ایسا ہی ہوتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ (اہل اللہ کا کلام نامرد کو مرد، اور مرد کو جوانمرد بنا دیتا ہے) خصوصاً وہ کلام جو کلام اللہ ہی کے بارے میں ہو جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا یشبع منہ العلماء و لا یخلق عن کثرۃ الرد و لا تنقضی عجائبہ (اہلِ علم کو اس سے سیری نہ ہوگی یہ بار بار لوٹانے اور دُہرانے سے پرانا نہ ہوگا اور اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے)
حضرت والا دامت برکاتہم کے ملفوظات و ارشادات ایسے اثر انداز اور پُرکیف ہوتے ہیں کہ سنکر بے اختیار خواجہ صاحبؒ کا یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

تا ابد جاری رہے یوں ہی سبیلِ مے کشی
ساقیا یوں ہی رہے آباد مے خانہ ترا

اخیر میں یہ عرض ہے کہ حضرت مولانا و مقتدانا دامت برکاتہم نے تلاوتِ کلام اللہ کی عظمت و اہمیت اور اس کے آداب و شرائط کو کتاب و سنت اور اکابرامت کے آثار و اقوال سے مختلف اوقات میں اور مختلف عنوان سے بیان فرما کر اور اس رسالہ میں جمع کر کے امت مرحومہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ طالبین راہِ خدا کے لئے نافع ثابت ہوگا اور تلاوت کلام اللہ کا اور اس سے قلبی تعلق پیدا کرنے کا ایک نیا باب مفتوح ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے صحیح رابطہ پیدا ہوگا چنانچہ بہت سے لوگوں کو نفع ہوا جس کا اظہار بھی ان حضرات نے کیا۔ نمونہ کے طور پر چند خطوط نقل کئے جاتے ہیں تاکہ ان کے تأثرات و حالات کے ملاحظہ سے ناظرین کرام کو مزید بصیرت و نصیحت حاصل ہو۔

مکتوب ۱ :۔ حسب ہدایت حضرت والا مدظلہ تلاوت کلام اللہ شریف کا معمول تنہائی میں حتی المقدور استحضارِ قلب کے ساتھ بنالیا ہے اور تلاوت شروع کرنے سے پہلے استغفار و تجدیدِ ایمان اور اس بات کی تصدیق و اقرار کر لیا کرتا ہوں کہ یا اللہ یہ کلام آپ کا ہے اور برحق ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے اس میں جو کچھ ہے سب حق ہے

اس کی معرفت باخلاص عطا فرمائیے اور اس کے مطابق ہماری زندگی بنا دیجئے اور اس کے جملہ اوامر پر عمل اور جملہ مناہی سے اجتناب کی توفیق دیجئے اور اس کے برکات و ثمرات سے نواز دیجئے۔ آپ کی ہی رحمت کے سہارے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت شیخ کے وسیلہ سے یہ درخواست ہے قبول فرما لیجئے اور اس میں اخلاص و ترقی عنایت فرمائیے"

مکتوب ۲:۔ "حسب ہدایت حضرت والا مدظلہ، تلاوتِ قرآن شریف کا معمول تنہائی میں حتی المقدور استحضارِ قلب کے ساتھ حضرت والا مدظلہ، کی دعا و توجہ کی برکت سے ابتک نبھا جا رہا ہے اور بجد نفع معلوم ہوتا ہے۔ دل کا حال ہی کچھ دوسرا ہونیوالا نظر آتا ہے اور اس کی جھلک نماز اور دیگر معاشرے میں بھی نظر آتی ہے۔ حضرت والا مدظلہ، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص و قبول عطا فرمائیں۔ اس پر استقامت و ترقی عنایت فرمائیں اور اپنے کلام برحق کی معرفت اس گنہگار روسیہ کو بھی عطا فرمائیں اور اسی کے مطابق پوری زندگی ڈھال دیں"

مکتوب ۳:۔ اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بخیریت ہوں۔ سایۂ عاطفت آنمخدوم اللہ تعالےٰ ہمیشہ قائم رکھیں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا بڑا احسان ہے کہ حضرت والا مدظلہ کی دعا و توجہ کی بدولت اس دفعہ کی صحبت میں یہ سئ الفہم فاقد الاستعداد بھی ہمیشہ سے زیادہ متأثر رہا۔ مضمون تلاوت کلام پاک نے دل کو پکڑ لیا ہے۔ تجدید ایمان و تصدیق اور دعا کر کے تلاوت کا آغاز کرتا ہوں۔ حضور قلب اور خشوع کی پوری سعی کرتا ہوں۔ بجائے کم کے کیف کی زیادتی کی فکر رہتی ہے۔ اگر کبھی کچھ آیتیں غفلت کے ساتھ سرسری طور پر پڑھی گئیں تو پھر از سر نو انکو حضور قلب کے ساتھ اعادہ کرتا ہوں۔

الحمد للہ اب قلب کا حال بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا "اَللّٰھُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ" کا اکثر استحضار ہوتا ہے۔ پہلے دیگر اذکار مثلاً ذکر اسم ذات و ذکر نفی و اثبات میں جو کیفیت ہوتی تھی وہ تلاوت میں نہ ہوتی تھی مگر

اب حالت بدل گئی ہے۔ تلاوت کی لذت وحلاوت دیگر اذکار سے کہیں بڑھ کر معلوم ہوتی ہے۔"

کلام اللہ شریف کے الفاظ اس کے معانی اس کے نقوش سبھی دل لبھانیوالے ہیں۔ اس کے نقوش کو دیکھنے سے بھی دل میں نور اور ایک سرور پیدا ہوتا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں کہ ان کے کلام کی تلاوت عظمت کے ساتھ نصیب ہو۔"

مکتوب ۳۴ :- عرض ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے سلسلے میں اس زمانہ میں بڑی کوتاہی اور غفلت ہو رہی ہے۔ یہانتک کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صرف الفاظ قرآنی کی تلاوت بلا فہم معانی کچھ سودمند اور نفع بخش نہیں ہے۔ حضرت والا نے ان دنوں بڑے شد و مد سے اس نظریہ کی تردید فرمائی اور تلاوت قرآن کے برکات اور اس کے منافع کو واضح فرمایا۔ حضرت والا کے ارشادات سے یہ بات اچھی طرح منکشف ہو گئی کہ قرآن پاک کی تلاوت ہی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ بار بار کی تلاوت ہی سے الفاظ قرآنی محفوظ رہ سکیں گے اور اسی کے تکرار سے معانی کا بھی انکشاف ہوگا جیسا کہ علامہ بیضاویؒ نے اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ الآیۃ کے تحت اس کی تصریح کی ہے۔ جب قرآن بار بار پڑھا جائیگا تو اس سے فہم معانی کا بھی داعیہ پیدا ہوگا۔ صرف الفاظِ قرآن کو بیکار سمجھنا ایک بڑی گمراہی ہے۔ تلاوت ایک الگ شئے ہے اور معانی و مطالب کا سمجھنا الگ بات ہے معانی و مطالب کا سمجھنا تو صرف ان لوگوں کا کام ہے جو اس کے اہل ہوں باقی عام لوگوں کیلئے تو یہی تلاوت الفاظ قرآن ہی وصول الی اللہ اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے یہی حَبْلُ اللہ ہے جو بندوں کو اللہ تک پہونچانے کیلئے دنیا میں اُتاری گئی ہے جسکو جو کچھ ملا ہے کلام اللہ کی تلاوت ہی سے ملا ہے اس لئے ہم خواہ معانی سمجھیں یا نہ سمجھیں ہم کو تلاوت کلام پاک ہی سے قرب حق ہوگا اسلئے ہم کو اس کا معمول بنانا چاہئے پھر دیکھیں یہ کلامِ الٰہی دل پر کیسا کچھ اثر ڈالتا ہے جب انسان کے کلام کی تاثیر مسلم ہے تو کلامِ الٰہی میں کیسا کچھ اثر ہوگا۔

(**حکایت**) ایک مریض کو دیکھنے کیلئے بوعلی سینا بلایا گیا۔ وہاں ایک بزرگ تھے جو

اس مریض کو دم کر رہے تھے بو علی سینا نے کہا کہ اس پھونکنے سے کیا ہوتا ہے ؟ یہ تو مادۂ فاسد ہے جب تک اس کا اخراج نہ ہو گا فائدہ نہ ہو گا ۔ اثنا کلام میں ان بزرگ نے کچھ ایسی بات قصداً کہدی جس سے بو علی سینا کو غصہ آگیا ۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں ۔ اس پر ان بزرگ نے فرمایا کہ " میں نے تم کو مارا نہیں صرف ایک بات کہی ہے جس سے تم پر ایسا اثر ہوا کہ چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئیں مخلوق کا کلام تو مؤثر ہو اور خالق کے کلام میں اثر نہ ہو گا " یہ سن کر بو علی سینا لاجواب ہو گیا اور چپ ہی رہ گیا ۔

حضرت والا بات سمجھ میں واضح طور پر آگئی ۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سیہ کار کو بھی تلاوت کی توفیق بخشیں اور اس کے برکات سے نوازیں ۔

مکتوب ۵ :- محبوب کا کلام بھی محبوب ہوتا ہے ۔ بفحوائے آیۂ کریمہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۔ اللہ عز و جل ہی مومن کے نزدیک بدرجہ غایت محبوب ہوتے ہیں اور فطرۃً محبوب کے بار بار ذکر کرنے سے دل اسکی محبت سے لبریز ہو جاتا ہے اور یہی ذکر ، روز افزوں ازدیادِ محبت کا سبب بھی ہوتا رہتا ہے جو محبت کا اصلی مقصود ہے اور اسی محبت پر نعمائے الٰہیہ مبنی ہوتی ہیں ۔ محب دورانِ ذکر میں کسی اجر و ثواب کا طلبگار نہیں ہوتا بلکہ غلبۂ محبت اس کا سبب ہوتا ہے اور محبت ہی مطلوب بھی ہوتی ہے ؎

اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اِنَّ ذِکْرَہٗ ۔۔۔ ھُوَ الْمِسْکُ مَا کَرَّرْتَہٗ یَتَضَوَّعُ

حضرت والا تلاوتِ قرآن کے کمال عظمت اور کثیر المنفعۃ اور بدرجہ غایت اہم ہونیکے بارے میں جس دل نشیں پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں وہ دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ذات اقدس جل سلطانہٗ کا یہ خصوصی فضل و کرم ہے کہ اس نے حضرت والا کے واسطے سے ہم جیسے خواب غفلت میں پڑے ہوئے مسلمانوں کو صرف چونکا ہی نہیں دیا بلکہ مکمل طور پر بیدار فرما دیا ۔ کاش دوسرے علماء دین بھی اس اہم مسئلہ کیطرف سے غفلت نہ برتتے ۔ بلکہ مسلمانوں کو قرآن پاک کی تلاوت

کی اہمیت کی جانب متوجہ فرماتے رہتے۔ تو آج مسلمانوں کی دینی حالت اس قدر پست نہ ہوئی ہوتی بلکہ کہیں زیادہ بہتر ہوتی۔

الغرض محب (مومن) کی نگاہ میں اللہ عزوجل اور اس کی باتوں سے زیادہ پرکشش اور محبوب کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی اور نہ ہونی چاہئے۔ اس لئے جملہ اوراد و ظائف پر تلاوت قرآن پاک کو خصوصی شرف حاصل ہے۔

مکتوب :- عرض یہ ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم ایک عرصہ سے تلاوت کلام اللہ کی اہمیت مختلف عنوانات سے بیان فرمارہے ہیں اور اس کیطرف نہایت شد و مد سے رغبت دلارہے ہیں جس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ قرآن پاک کی تلاوت بغیر فہم معانی کے بھی قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ بلکہ قرب کے جتنے مراتب ہیں بدون تلاوت کلام اللہ کے حاصل ہو ہی نہیں سکتے۔ مگر بشرطیکہ اعتقاد و عظمت کے ساتھ دل سے تلاوت کی جاوے۔ اسلئے کہ اعتقاد خود بھی کمال ہے اور بہت سے کمالات کا موجب ہے۔ قرآن سے اعتقاد یہ خود اعلیٰ درجہ کا کمال ہے اور تلاوت اگر دل سے کی جائے تو اسی سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اور تمام مراتب قرب حاصل ہوں گے۔ اہل اللہ نے اسی سے قربِ خداوندی حاصل کیا ہے اور یہ قرب ایک وجدانی شئے ہے جو مدرک بالوجدان ہوتی ہے جیسے بھوک اور پیاس وجدان سے مدرک ہوتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ کلام اللہ کی تلاوت عظمت و اعتقاد کے ساتھ کرتے رہتے ہیں تو بتدریج انکو کیفیت وجدانیہ حاصل ہوتی جاتی ہے اور تلاوت کی حلاوت اور لذت بڑھتی جاتی ہے محبت اور ذوق و شوق زیادہ ہوتا جاتا ہے اور اس تلاوت کی بالکل وہی تاثیر ہوتی ہے جیسا کسی نے کہا ہے:

"چونے کی سی کانکری جب چھڑکوں تب آگ"

یہ تلاوت محبت سے ناشی ہوتی ہے اور محبت کی موجب بھی ہوتی ہے اور مومن کی تلاوت ایمان سے ناشی ہوتی ہے اور ایمان کی مورث بنتی ہے۔

اب تلاوت سے جو یہ کیفیات نہیں حاصل ہوتیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے

کہ تحصیل کمالات کے بارے میں ہمارا اعتقاد ہی قرآن پاک کے ساتھ درست نہیں ہے۔
عامۃ الناس کا یہ حال ہے کہ جو اوراد و اشغال صوفیاء کرام نے مقرر فرما دیئے ہیں
ان میں جتنا نفع و قرب سمجھتے ہیں اتنا قرب و نفع کلام اللہ میں نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ
سے جتنا اہتمام اور دوسرے اذکار کا کرتے ہیں اتنا تلاوت کا نہیں کرتے یا بس سرسری
کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جب تلاوت کی ہی نہیں جائیگی یا اگر کی جائے تو اس
بداعتقادی کے ساتھ۔ تو وہ سرسری تلاوت موجب کیفیات اور مثمر برکات کیا بن
سکتی ہے؟ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے نہایت غضب و سخط کا ہی موجب بنے گی۔
ہمارا کام بس یہیں سے بگڑا ہے کہ جو چیز تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھی اسکو تو چھوڑ دیا
اور دوسری چیزوں میں لپٹ گئے۔ اس میں اذکار مسنونہ کا انکار نہیں ہے کیونکہ
وہ تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں بلکہ حضرت والا نے یہ سمجھانا چاہا ہے کہ فرق مراتب
بہت ضروری ہے جو چیز جس درجہ کی ہے اس کے ساتھ جب تک اسی درجہ کا اعتقاد
نہ کیا جاوے گا اس وقت تک اس سے نفع اس درجہ کا نہیں ہو سکتا۔ دوسرے
اذکار سے جو قرب ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ قرب قرآن سے ہوتا ہے اور دیگر
اذکار سے کہیں بڑھ کر اور الطف کیفیت تلاوت سے پیدا ہوتی ہے مگر یہ سب چیزیں
بتدریج حاصل ہوتی ہیں۔ ایک دو دن میں نہیں حاصل ہوتیں۔ جب کچھ دنوں
تک برابر عقیدت و عظمت کے ساتھ دل سے تلاوت کی جائیگی تب کہیں جاکر یہ ثمرات
مرتب ہوں گے اور تلاوت کا صحیح ذوق پیدا ہوگا، بیشک ہماری تلاوت محض رسمی ہے
اور قرب خداوندی تلاوت حقیقی سے حاصل ہوتا ہے، تو پھر ہم کو قرب خداوندی کیسے
حاصل ہو۔ رسمی اور حقیقی تلاوت میں بون بعید ہے۔ اسی کو حضرت والا نے فرمایا کہ ؎

ز رسم تا بحقیقت ہزار فرسنگ است"

تلاوت کا جو طریقہ حضرت والا نے تعلیم فرمایا ہے کہ تلاوت شروع کرنے سے
پہلے قرآن پاک کی عظمت کا استحضار کیا جاوے اور استغفار اور تجدید ایمان اور
اس بات کی تصدیق کرلیا کرے کہ یا اللہ یہ کلام آپ کا ہے اور برحق ہے اس پر ہمارا

ایمان ہے اس میں جو کچھ ہے سب حق ہے اور یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس کی معرفت اور اس کی تلاوت با اخلاص عطا فرمائیے اور اس کے مطابق ہماری زندگی بنا دیجئے اور اس کے جملہ اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کی توفیق دیجئے اور اس کے ثمرات و برکات سے نواز دیجئے۔

الحمد للہ اسی طریقہ سے تلاوت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بصد عجز و نیاز یہ درخواست ہے کہ حضرت والا دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں میری دعاؤں کو قبول فرماویں اور تلاوت و ذکر کے برکات و ثمرات سے نوازیں اور قرآن کے ذریعہ ہم کو اپنے خالق و مالک سے صحیح نسبت حاصل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایت ہماری طرف متوجہ ہو اور تلاوت کلام اللہ سے صحیح ذوق نصیب ہو۔

والسلام مع الاکرام۔ یکے از خدام عفی عنہ

طالبین کے اس قسم کے خطوط کثرت سے حضرت والا دامت برکاتہم کی خدمت میں آئے جن سے معلوم ہوا کہ اب قرآن پاک سے صحیح تعلق و رابطہ پیدا ہوا اور قرآن پاک کی برکت سے راستہ کھلا اور اللہ تعالےٰ سے قرب محسوس ہوا۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم نہایت تعجب اور درد و دلسوزی سے برابر فرمایا کرتے ہیں کہ خدا کا کلام موجود اور گمراہی؟ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے رشتہ منقطع کر لیا گیا ہے اس لئے گمراہ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر راستہ کو مسدود فرما دیا ہے۔ دین کیا ملے گا دنیوی فلاح بھی کھو چکے ہیں۔ اگر آج مسلمان عظمت و احترام سے تلاوت کریں اور عمل کریں تو اب بھی اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت مبذول ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو۔ اور پھر سارا عالم ہی منور ہو جائے۔ کیا خوب کسی نے یہ شعر کہا ہے ؎

نبی بھی نور اور قرآن ملا نور
نہ ہو پھر ملکے کیوں نورٌ علیٰ نور

پس ناظرین سے بصد الحاح وزاری عرض ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا دامت برکاتہم کو صحت وعافیت عطا فرمادیں اور تادیر اس چشمۂ فیض کو جاری رکھیں اور ہم کو حُسن عقیدت اور کامل محبت ومناسبت عطا فرمائیں کہ آپ کے فیوض سے مستفیض اور آپ کے افادات سے مستفید ہوں۔

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ وَاَتْمِمْ عَلَیْنَا نِعْمَتَکَ وَاَسْبِغْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلِکَ وَاجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ ٥

احقر الخُدّام

قمر الزماں عفی عنہ

رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ

الٰہ آباد

تلاوتِ قرآن

نعمِ الٰہی در بارۂ ایں بندۂ ضعیف بے شمار اند۔ و اجل آنہا توفیق فہم قرآن عظیم است۔ و مِنن حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بر کمترین امتیاں بسیار اند۔ و اعظم آنہا تبلیغ فرمان کریم ست۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن را تلقین فرمود بقرنِ اول تا ایشاں بقرنِ ثانی رسانیدند ہکذا و ہکذا تا آنکہ ایں درماندہ را نیز از روایت و درایت آں حصہ رسید۔

ترجمہ:۔ (اللہ رب العزت کی نعمتیں اس بندۂ ضعیف پر بے شمار ہیں اور ان نعمتوں میں سب سے عظیم نعمت قرآن عظیم کے فہم کی توفیق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے احسانات اس کمترین امتی پر بے انتہا ہیں، اور ان میں سب سے عظیم احسان فرمانِ الٰہی کی تبلیغ ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرنِ اول کو قرآن کی تلقین فرمائی، اِن حضرات نے قرنِ ثانی تک قرآن کریم کو پہونچایا، یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، حتیٰ کہ اس عاجز کو بھی قرآن کی فہم و روایت کا حصۂ وافر عطا ہوا)

عہ یہ مضمون چونکہ کلام اللہ سے متعلق ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا افتتاح حجۃ اللہ مولانا شاہ ولی اللہ مفسر و محدث دہلویؒ کے کلام سے کروں چنانچہ الفوز الکبیر میں انھوں نے جو خطبہ لکھا ہے بہت پسند آیا۔ برکت کیلئے اسی کو اپنی اس تالیف کا خطبہ بناتا ہوں۔ ۱۲ منہ

عہ (قولہ تبلیغ فرمان کریم ست) اس سے معلوم ہوا کہ فہم قرآن کی دولت کا ملنا تو خیر بڑی چیز ہے۔ محض تبلیغ قرآن بھی کچھ کم چیز نہیں ہے کیونکہ اسکو بھی اعظم مِنن فرما رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

کلام اللہ کی تلاوت کے فضائل احادیث و آثار میں کثرت سے وارد ہیں جن کا استیعاب تو نہایت ہی دشوار امر ہے۔ تاہم ارادہ ہے کہ کچھ روایات و آثار جو تلاوت کلام اللہ کے متعلق ہیں پیش کروں اور علمائے کرام کی مصنفات سے تلاوت کے آداب اور ان حضرات کے معمولات کو لکھوں تاکہ معلوم ہو کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلفِ صالحین کو کلام اللہ سے کس قدر شغف تھا اور ان حضرات کو تلاوت کا کتنا اہتمام تھا۔ پھر اپنے حال کو آپ دیکھیں کہ ہم میں اور سلف رحمہم اللہ میں کتنا فرق ہو گیا ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ

تلاوتِ حقیقی اور نفاقی کی بحث

قبل ازیں کہ روایات و آثار پیش کروں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جس تلاوت کی فضیلت نصوص میں اکثر آئی ہے وہ، وہ تلاوت ہے جو ایمان و تصدیق کے ساتھ ہو، تعظیم و توقیر کے ساتھ ہو، اور یہ سب قلب کی صفات ہیں۔ جب تک قلب میں تصدیق و توقیر نہ ہو گی، محض ظاہری تعظیم و تکریم کا کچھ اعتبار نہ ہو گا۔ مثلاً کوئی شخص قرآنِ پاک کو چوم لے، آنکھوں سے لگالے، اسکو حریر و دیباج، ریشمی کپڑوں کے جز دانوں میں رکھ لے اور کبھی دل چاہا تو جی خوش کرنیکے لئے زبان سے تلاوت بھی کر لے۔ محض اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے دل میں بھی اس کی تصدیق و تعظیم موجود ہے۔ ایسا تو بہت ہوتا ہے کہ دل میں ایک بات نہیں ہوتی اور اس کے خلاف ظاہر کیا جاتا ہے، قلب میں تعظیم نہیں ہوتی اور اظہارِ تعظیم کیا جاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کا حال یہی تھا جیسا کہ علامہ جار اللہ زمخشریؒ نے کشاف میں یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ:

عَنْ سُفْيَانَ اَدْرَجُوْهُ فِي الدِّيْبَاجِ وَالْحَرِيْرِ وَحَلَّوْهُ بِالذَّهَبِ وَلَمْ يُحِلُّوْا حَلَالَهٗ وَلَمْ يُحَرِّمُوْا حَرَامَهٗ (کشاف ص۸۵ ج۱)

حضرت سفیان سے روایت ہے کہ (یہود و نصاریٰ نے) اپنی کتاب کو حریر و دیباج کے جز دانوں میں رکھا اور اسکو سونے سے مزین کیا مگر نہ تو اسکے حلال کو حلال سمجھا اور نہ اسکے حرام کو حرام جانا۔

نعوذ باللہ کس قدر بد باطن تھے کہ ظاہری عمل تو ایسا کہ اسکو ریشمی جزدانوں میں رکھتے تھے، سونے کے پانی سے لکھواتے تھے اور باطنی عمل یہ کہ بالکل بد اعتقاد ہوگئے تھے نہ اس کے حلال کو حلال سمجھتے تھے اور نہ اسکے محرمات کو حرام سمجھتے تھے۔

اس روایت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ معاملہ عظمت کا کیا جاوے۔ محبت کا برتاؤ کیا جاوے اور دل میں ذرا بھی عظمت و محبت نہ ہو۔ اب ہم لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس کسی طرح تلاوت کرلینا خواہ دل حاضر ہو یا نہ ہو، قلب میں عظمت ہو یا نہ ہو، کافی ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ ہمارے سلفؒ نے عظمت و عقیدت کے ساتھ تلاوت کی تھی۔ تب انکو اس کے فیوض و برکات اور اسکی وجہ سے انکو بڑے بڑے درجات نصیب ہوئے تھے اور ایسی ہی تلاوت مطلوب و مامور بہا[1] ہے۔ اب ایسی تلاوت تو کرتے نہیں محض رسمی اور سرسری کرتے ہیں۔ اس پر طرفہ[2] یہ ہے کہ اپنی اس تلاوت کو صحابہ کرام اور اکابر عظام جیسی تلاوت سمجھتے ہیں اور اس پر ان ثمرات و نتائج کے متمنی ہیں جو پہلے لوگوں کو حاصل ہوئے۔

تصنّع وظاہرداری پر نکیر

یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے ہر عمل کا یہی حال ہوگیا ہے۔ رسم و تصنع کا استیلاء (غلبہ) ہوگیا ہے محض ظاہرداری کو کافی سمجھتے ہیں۔ اہل اللہ کی خدمت میں بھی جاتے ہیں، تو اسی ظاہرداری و اختیار کئے رہتے ہیں اور اس کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ لوگ کچھ سمجھتے بوجھتے نہیں ہماری چاپلوسی اور ظاہرداری سے خوش ہو کر مراتب دیدینگے۔ حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ جو لوگ واقعی اہل اللہ ہیں، انکو اللہ کیطرف سے کام سپرد ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے فہم و فراست بھی عطاء فرماتے ہیں۔ جس سے یہ حضرات سچے جھوٹے اور مخلص و غیر مخلص میں تمیز کرتے ہیں۔

---

(۱) جس کا حکم دیا گیا ہے۔ (۲) عجیب بات۔ حیرت

حاطب لیل[1] کیطرح نہیں ہوتے۔ خوب سمجھتے ہیں کہ کون خلوص سے آتا ہے اور کون محض رسماً آتا جاتا ہے، کون اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کیلئے آتا ہے اور کون محض ہماری رضا جوئی کرتا ہے مگر اب عجیب حال دیکھتا ہوں کہ اعتقاد میں تیزی سے انحطاط آتا جارہا ہے۔ اعمال ہو رہے ہیں مگر اعتقاد ندارد، تصدیق کا پتہ نہیں۔ بزرگوں کی خدمت میں بھی آمد و رفت جاری ہے مگر دل میں ذرا انکسار پیدا نہیں کرتے۔ ظاہر میں تو جھکاؤ ہے لیکن باطن میں نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب باطن کو جھکانا نہیں ہے اس کی اصلاح نہیں کرنی ہے تو پھر آتے ہی کیوں ہیں۔ اس قسم کا ایک آدمی آیا، دوسرا آیا، تیسرا آیا۔ اسطرح ایسے لوگوں کی ایک جماعت بن جاتی ہے کہ ظاہر سے کہیں ہیں اور باطن سے بالکل آزاد ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی اصلاح کی جگہیں فاسد ہوگئیں۔ کوئی کام کا نہیں نکلتا۔ ایسی جگہوں کا فساد یہی ہے کہ جس مقصد کی خاطر یہ جگہیں موضوع ہوئی ہیں وہ مقصد پورا نہ ہو۔

اسی کو کہا کرتا ہوں کہ جب اپنے گھر کو اپنی بداخلاقیوں کیوجہ سے فاسد کر لیتے ہیں تو اتنے پر صبر نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ گھر کو یا بازار کو فاسد کر دینا کیا کمال ہے، کمال تو یہ ہے کہ اصلاح کی جگہوں کو فاسد اور تہس نہس کر دیا جائے تاکہ اصلاح کا کام ہی ختم ہو جائے اور ہم کو فساد کا کامل وبال ملے۔[2]

صدق و ارادت

اگر صدق و خلوص سے کہیں آویں تو انکو فائدہ ضرور حاصل ہوگا مگر ظالم ویسے ہی آتے جاتے ہیں۔ انکو اتنا نہیں معلوم کہ مرید کا اول قدم صدق پر ہونا چاہیے۔

---

[1] رات میں لکڑیاں چننے والا یعنی کھرے کھوٹے میں تمیز نہ کرنے والا۔

[2] اس قسم کے جملے بطور طنز ملیح کے حضرت والا قدس سرہٗ اکثر فرماتے تھے (از ناقل ۱۲)

اَوَّلُ قَدَمٍ لِلْمُرِيْدِ فِيْ هٰذِهِ الطَّرِيْقَةِ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ عَلَى الصِّدْقِ
(راہِ طریقت میں مرید کا پہلا قدم صدق پر ہونا ضروری ہے)

اور حضرت فریدالدین عطار فرماتے ہیں ؎

در ارادت باش صادق اے فرید ٭ تا بیابی گنج عرفاں را کلید
(اے فرید ارادت میں صدق و سچائی اختیار کر تا کہ تمہیں خزانۂ معرفت کی کنجی مِل جائے)

اور یہ صدق و ارادت آپ کے زبان کی صفت نہیں ہے کہ زبان سے صدق و ارادت کا تکلم ہو جاوے بس یہ کافی ہو بلکہ یہ دل کی صفت ہے اور اسی کا فعل ہے دل ہی اصل ہے اور وہی کار فرما ہے۔ دوسرے اعضاء اس کے تابع ہیں۔ جب قلب میں صدق و ارادت، عقیدت و محبت ہو گی جب ہی ظاہری اعمال کا بھی اعتبار ہوگا، بغیر اس کے عنداللہ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۔۔۔۔ بلا شبہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے

قلب کی تباہی اور اسکی موت کے اسباب

مگر آج کل تو ہم لوگوں نے قلب کو نسیاً منسیا[1] کر دیا ہے جیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی وظیفہ ہی نہیں اور نہ منجانب اللہ کوئی مطالبہ ہے بلکہ مطلق العنان[2] چھوڑے ہوئے ہیں۔ اہل اللہ خون کے آنسو رو رہے ہیں کہ ہائے اہل زمانہ نے دل کو بالکل مہمل و معطل کر رکھا ہے۔ سارا دین زبان اور جسم پر آگیا ہے قلب بالکل خالی ہے اور قلب کو متأثر کرنا تو درکنار سرے سے قلب و باطن کی اصلاح ہی کے منکر ہو گئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ بچپن ہی سے دنیوی مشاغل اور لہو لعب میں قلب کو ایسا مشغول کر دیتے ہیں کہ پھر دوسری چیز کی اس میں گنجائش باقی ہی نہیں رہتی، ملکاتِ[3] فاسد کر چکے ہوتے ہیں، اپنے قلب و دماغ

---

[1] فراموش۔ [2] بے لگام۔ [3] استعداد و صلاحیت

کو اغیار کے ہاتھوں فروخت کر دیئے ہوتے ہیں تو جب دل ہی کھو بیٹھے پھر ان سے اب کس خیر کی توقع کی جائے اور کس حیات کی تمنا کی جائے۔ اب ان لوگوں سے جو کچھ نہ ہو جائے کم ہی ہے۔

عظمت و عقیدت کی اہمیت

سنئے! آپ کہیں چلے جائیے زیارت بیت اللہ شریف کیلئے تشریف لے جائیے مسجد میں داخل ہو جائیے، کسی بزرگ کی خدمت میں حاضری دے لیجئے لیکن جب تک عقیدت و عظمت نہ ہو گی ہرگز ہرگز کچھ حاصل نہ ہو گا۔ کامیابی کا مدار اخلاص و سچائی پر ہے بغیر اس کے کہیں سالہا سال آئیے جائیے کچھ نفع نہیں ہو گا۔ اب ایسا آنا جانا بہت ہے کہ آمد و رفت بھی رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق ہے جب ہی تو محنت برداشت کر رہے ہیں مگر دل میں بداعتقادی چھپائے رکھتے ہیں بہت بہت دنوں کے بعد اس کا اظہار ہوتا ہے جس سے سخت تعجب ہوتا ہے۔ یہ رسم و تصنع و نفاق کا زمانہ ہے۔ ظاہر و باطن میں تخالف[1] کا زمانہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی تعلق و عقیدت ظاہر کر رہا ہو تو دل میں بھی تعلق و عقیدت ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے پاس کچھ لوگ حاضر ہوئے ان میں سے ایک کو حضرت مولاناؒ نے ڈانٹا اور اپنے پاس بیٹھنے نہ دیا اور دوسرے انھیں کے ساتھیوں کو نہایت شفقت و محبت سے بٹھلایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جسکو پاس بیٹھنے نہ دیا تھا وہ راستہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم اس لباس خاص میں ان کے پاس اس لئے جا رہے ہیں کہ انکو دیکھ کر ایذار (تکلیف) ہو (نعوذ باللہ) دوسرے اصحاب نے کہا نہیں بھائی ہم لوگ تو حضرت مولانا کی زیارت کیلئے جا رہے ہیں۔ حضرتؒ پر دونوں کی نیت منکشف ہو گئی اور نیت کے مطابق معاملہ فرمایا۔
اس قسم کے واقعات رسالۂ قشیریہ میں بھی مذکور ہیں۔ چنانچہ صاحب رسالہ

---

[1] باہم مخالف ہونا۔

قشیریہ تحریر فرماتے ہیں:

سمعت الاستاذ ابا علی یقول وصف سہل ابن عبد اللہ رجلا بالولایۃ خبازا بالبصرۃ فسمع رجل من اصحاب سہل بن عبد اللہ ذلک فاشتاق الیہ فخرج الی البصرۃ فاتی حانوت الخباز فراٰہ یخبز وقد تنقب لمحاسنہ علی عادۃ الخبازین فقال فی نفسہ لو کان ھذا ولیا لم یحترق شعرۃ بغیر نقاب ثم انہ سلم علیہ وسألہ شیئا فقال الرجل انک استصغرتنی فلا تنتفع بکلامی وابی ان یکلمہ۔

(ترجمہ) میں نے اپنے استاذ ابو علی دقاق ؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سہل ابن عبد اللہ نے ایک شخص کے بزرگی کی تعریف کی جو بصرہ میں نانبائی تھے۔ اس تعریف کو سہل ابن عبد اللہ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے سنا تو انکی زیارت کا مشتاق ہوا، چنانچہ ملاقات کیلئے بصرہ پہونچکر ان نانبائی کی دوکان پر گیا تو ان بزرگ کو روٹی پکاتے دیکھا اس حال میں کہ نانبائیوں کی عادت کے مطابق اپنی داڑھی پر کپڑا باندھے ہوئے تھے یہ دیکھ کر اس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ ولی ہوتے تو بغیر نقاب کے بھی انکا بال نہ جلتا یہ خیال دل میں لانیکے بعد سلام کیا اور کوئی بات دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ تم نے مجھ کو چھوٹا سمجھا اسلئے تم میرے کلام سے منتفع نہیں ہو سکتے اور انھوں نے اس سے کلام کرنے سے انکار کردیا۔"

دوسرا واقعہ سنئے!

سمعت الشیخ ابا عبد الرحمٰن السلمی یقول سمع عبد الرحمٰن الرازی ابا عثمان الحیری یصف محمد بن الفضل البلخی ویمدحہ فاشتاق الیہ فخرج الی زیارتہ فلم یقع بقلبہ من محمد ابن الفضل ما اعتقد فرجع الی ابی عثمان وسألہ فقال کیف وجدتہ فقال لم اجدہ کما ظننت فقال لانک استصغرتہ وما استصغر احد احدا الا حرم فائدتہ ارجع الیہ بالحرمۃ فرجع الیہ فانتفع بزیارتہ۔ (رسالہ قشیریہ ص۱۶۵)

(ترجمہ) میں نے شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عبد الرحمٰن رازی نے

ابو عثمان حیری سے سنا کہ محمد ابن فضل بلخی کا وصف بیان فرما رہے ہیں اور انکی تعریف کر رہے ہیں
یہ سنکر عبدالرحمٰن رازی کو محمد بن فضل کی ملاقات کا اشتیاق ہوا چنانچہ انکی زیارت کیلئے گئے
لیکن محمد ابن فضل کے متعلق جیسا اعتقاد لیکر گئے تھے اس درجہ کی وقعت ان کے قلب میں
نہ ہوئی۔ جب ابو عثمان حیری کے پاس لوٹ کر آئے تو انھوں نے پوچھا کہ تم نے ان کو کیسا پایا؟
تو کہا کہ جیسا خیال تھا ویسا نہیں پایا۔ یہ سنکر ابو عثمان نے کہا بات یہ ہے کہ تم نے انکو چھوٹا
سمجھا اور نہیں چھوٹا سمجھا کسی نے کسی کو مگر یہ کہ اس کے فائدہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا
تم پھر انکی خدمت میں حرمت اور عظمت کے ساتھ جاؤ (تو دیکھو نفع ہوتا ہے یا نہیں) چنانچہ
عبداللہ لوٹ کر انکی خدمت میں گئے اور انکی زیارت سے منتفع ہوئے۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں برابر تجربات
و مشاہدات ہوتے رہتے ہیں اس سے معلوم ہو تا ہے کہ قلب خراب ہو گیا ہے جو چیز دل
میں نہ ہو اس کے اظہار کرنے میں ذرا باک نہیں ہے۔ اسکی مذمت ہی دل سے
رخصت ہو چکی ہے۔ اسی طرح نماز، روزہ ہی کو لے لیجئے جب تک کہ ایمان سے
اور اعتقاد سے ادا نہ کیا جائیگا اسوقت تک اس پر اجر و ثواب کیا ملے گا اور فیوض
و برکات کیسے حاصل ہوں گے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔
(یعنی جو رمضان کے روزے اس طور پر رکھے کہ اسکی فرضیت کی تصدیق کرتا ہو اور اس
سے اجر و ثواب کا طالب ہو، ریا و سمعہ کی نیت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسکے پہلے کے گناہوں کو معاف
فرمادیں گے۔

دیکھئے حضور نے مغفرت کیلئے ایمان و احتساب کو شرط قرار دیا۔ یہی حال نماز کا
بھی ہے اور یہی حال تلاوت کلام اللہ کا بھی ہے کہ تلاوت کے وقت ایمان لاوے
کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:
لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں

یعنی ملائکہ۔ اور یہ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں وہی لوگ اس کے علوم و حقائق تک ٹھیک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں۔

کلام اللہ کی عظمت و جلالت شان

اور اسی کلام کی عظمت و وقعت کے بیان میں یہ آیت بھی ہے کہ:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ وہ خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

یعنی قرآن فی نفسہٖ ایسا مؤثر و قوی ہے مگر انسان میں بوجہ غلبۂ شہوات کے قابلیت فاسد ہوگئی جس کے سبب تاثر نہیں ہوتا

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝

یعنی ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، سو انھوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اپنے ذمہ لے لیا وہ ظالم ہے جاہل ہے۔

یعنی جو بوجھ آسمان زمین اور پہاڑوں سے نہیں اٹھ سکتا تھا اسکو انسان نادان نے اٹھالیا۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید ❊ قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

آسمان بھی امانتِ الٰہی کا بوجھ سنبھال نہ سکا ❊ بالآخر مجھ دیوانہ ہی کے نام قرعۂ فال نکلا

دیکھئے اس سے احکامِ الٰہیہ اور قرآن پاک کی کیسی عظمت معلوم ہوتی ہے مگر ان سب باتوں کے معلوم کرنے کی فرصت ہی کب ہے جس حال میں ہیں اسکو کافی سمجھتے ہیں چونکہ زبان سے ایک پارہ یا دو پارہ یا اس سے زیادہ منزل دو منزل

پڑھ لینا آسان معلوم ہوتا ہے اور عظمت و جلالت کلام اللہ کے استحضار کے ساتھ تھوڑی مقدار بھی تلاوت کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے اس لئے آسان کو لے لیا اور یہ اعتقاد کر لیا کہ یہی وہ تلاوت ہے جس کو صحابہ و سلف کرتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کیا ہمارے سلف ایسے تھے کہ محض زبان سے تلاوت کرتے تھے۔ دل میں اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا؟ دل اسکی عظمت و محبت و عقیدت سے خالی ہوتا تھا؟ نہیں یہ حضرات دل سے قرات کرتے تھے۔ ظاہر سے زیادہ باطن کی اصلاح و تعمیر کا اہتمام کرتے تھے۔ یہ اب کے لوگوں کا دین و مذہب ہے کہ ظاہر پر مقصور[1] ہو گیا ہے اور دل کو بالکل مہمل و معطل کر چھوڑا ہے۔ یہ دین نہ خدا کو پسند ہے اور نہ اس کے رسول کو یہ تو منافقین کا دین ہے کہ ان کے ظاہر و باطن میں مطابقت نہ تھی۔

قرب و رضا کا سب سے بڑا ذریعہ

اہل اللہ نے جتنا قرب اور اللہ تعالیٰ کی رضا، تلاوت کلام اللہ سے حاصل کی کسی دوسرے ذریعے سے نہیں کی، اسی سے انکو ولایت و بزرگی ملی مگر وہ حضرات محض طرف لسان[2] سے تلاوت نہیں کرتے تھے، دل کو شریک کرتے تھے اور اب کے لوگ اول تو تلاوت کلام اللہ کرتے نہیں، اور اگر کرتے ہیں تو محض سرسری لسانی جس کا اثر قلب تک بالکل نہیں پہونچا۔ اور اعتقاد میں یہ فساد پیدا ہو گیا ہے کہ اس میں ولایت سمجھتے ہی نہیں۔ خود تو دل سے تلاوت کرتے نہیں اور اسکی عظمت واحترام کا استحضار[3] کرتے نہیں پھر جب تلاوت کلام اللہ کے فیوض و برکات نہیں ملتے۔ تو یہ خیال کر لیتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت سے ولایت و بزرگی مل ہی نہیں سکتی۔ یہ ضلالت نہیں ہے تو اور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو مخلوق پر اسلئے نازل ہی فرمایا ہے کہ اس سے تعلق و تقرب حاصل کریں اب اسی کے لوگ معتقد نہ

---

[1] منحصر۔ [2] نوکِ زبان۔ [3] ذہن میں حاضر کرنا۔

رہیں تو کس قدر موجب سُخط[1] و ناراضی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ناراض ہیں، اللہ تعالےٰ کا کلام ناراض ہے تو پھر لاکھ چاہو کہ دوسرے ذرائع سے ولایت حاصل کرلو، حاصل نہیں ہوسکتی۔

سنئے اہل اللہ میں سے جس نے جس قدر کلام اللہ کیطرف توجہ کی اور اس سے ذوق ومناسبت پیدا کی اور اس کی عظمت وتوقیر کا لحاظ کیا اسی درجہ کا احترام و توقیر اللہ تعالیٰ نے اس کی زمین پر نازل فرمائی اور اسی اعتبار سے مخلوق نے اسکی تعظیم وتوقیر کی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمان تلاوت نہیں کرتے، تلاوت تو کم وبیش ہو ہی رہی ہے میں دیکھتا ہوں کہ نمازِ فجر کے بعد چھوٹے بڑے تلاوت کیلئے بیٹھ جاتے ہیں۔ لوگ اپنے بچوں کو قرآن پڑھانے کیلئے مکاتب کا اہتمام کرتے ہیں، اس کے اخراجات برداشت کرتے ہیں تو بھلا کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تلاوت کلام اللہ کو چھوڑ دیا ہے تاہم یہ ضرور کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ تلاوت کا سلسلہ جاری ہو اور قلب اس کی عظمت سے دور اور اس کے احترام سے خالی ہو۔ بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ علم ہو اور عمل نہ ہو اور عمل ہو اخلاص نہ ہو اور اہل اللہ کی صحبت نصیب ہو اور ان کا احترام قلب میں نہ ہو۔

شقاوت کی علامت

چنانچہ رسالۂ قشیریہ میں ہے کہ:

یقول کتب ابوعثمان الحیری الی محمد ابن الفضل یسأله ما علامة الشقاوة فقال ثلاثة اشیاء یرزق العلم ویحرم العمل، ویرزق العمل ویحرم الاخلاص ویرزق صحبة الصالحین و لایحترم لهم۔

(ترجمہ) ابوعثمان حیری نے محمد ابن فضل سے لکھ کر یہ سوال کیا کہ شقاوت اور بدبختی کی

---

[1] غصہ۔

علامت کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ تین چیز ہے۔ ایک تو یہ کہ علم دیا جاوے اور عمل سے محروم کر دیا جاوے، دوسرے یہ کہ عمل کی توفیق دیا جائے مگر اخلاص سے محروم رکھا جاوے، اور تیسرے یہ کہ صحبتِ صالحین میسر ہو مگر ان حضرات کا احترام نہ کرے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ علم کیلئے عمل ضروری نہیں اور عمل ہو تو اس میں اخلاص بھی ہو یہ لازم نہیں۔ اور کسی کی خدمت میں رہے تو وہ مخلص ہی ہو صرف ظاہراً نہ رہتا ہو اس کا اطمینان نہیں اور اب تو ایسا بہت ہے بلکہ اس زمانہ میں اس نفاق کو ہنر و کمال سمجھا جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین کے احوال اسی قسم کے تھے تلاوت کرتے تھے، ظاہراً صوم و صلوٰۃ کے بھی پابند تھے حتیٰ کہ جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے مگر دل سے ان سب چیزوں کا انکار و جحود[1] کرتے تھے، بے ایمان تھے، مسلمانوں کی تلواروں کے خوف سے اپنے کفر کو پوشیدہ رکھتے اور زبان سے اسلام ظاہر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال و اخلاق کو قرآن میں خوب خوب بیان فرمایا ہے۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک ہی میں نہایت ذلیل و رسوا ہو گئے۔ اخیر میں ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ نہیں کیا جاتا تھا، ان پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کئے جاتے تھے البتہ ان کی جان و مال محفوظ تھا۔

حاصلِ کلام یہ کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی عمل کیا جاوے۔ مثلاً تلاوت ہی کی جائے اور اس کی عظمت قلب میں نہ ہو یا اس سے غفلت ہو اسی کو بتلانا چاہتا ہوں کہ جب تلاوت کر رہے ہو تو عظمت و احترام کے مراقبہ کے ساتھ تلاوت کرو۔ یہ کیا کہ کر بھی رہے ہو اور دل پر اس کا ذرا اثر نہ ہو اس میں اخلاص نہ ہو، یہ تو بہت ہی بری بات ہے مومن کی تلاوت ایسی نہیں ہونی چاہئے یہ تو نفاقی تلاوت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی ہے اور اس کی مثال ریحانہ (تلسی) سے دی ہے

---

[1] باوجود علم کے انکار کرنا، جھٹلانا۔

کہ خوشبو تو اچھی مگر اس کا مزا نہایت ہی تلخ ہوتا ہے۔ اور جو شخص ایمان و تصدیق کے ساتھ تلاوت کرتا ہے اس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نارنگی سے دی ہے جسکی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور رنگ بھی اچھا اور مزہ بھی نہایت لطیف و خوشگوار ہوتا ہے۔ تو پھر ایسی تلاوت کیوں نہ کی جائے جس کی مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نارنگی سے دی ہے۔

کلام اللہ سے بے اعتنائی کیوں؟

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کلام اللہ سے اتنی بے اعتنائی[1] کیوں ہے۔ جس طرح بیت اللہ کی نسبت اللہ کیطرف ہونے سے وہ محترم و مکرم ہوگیا، اسی طرح کلام اللہ کی نسبت بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کیطرف ہے، پھر اس کی تعظیم و توقیر کیوں نہیں کی جاتی۔ بیت اللہ شریف کی زیارت کیلئے طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں، رقمیں صرف کرتے ہیں، اس کے ادب و احترام کو فرض جانتے ہیں، اس کی جانب پیر کرنے کو اور اس رخ استنجا کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں تو اسی طرح اسی نسبت کیوجہ سے کلام اللہ کا ادب و احترام فرض ہے، اس کو سب کلاموں سے اعظم سمجھنا فرض ہے اس لئے کہ رب العالمین و احکم الحاکمین کا کلام ہے اور یہ مقولہ مشہور ہے کہ : كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ - بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے - یعنی بادشاہوں کی باتیں نہایت اعلیٰ ہوتی ہیں۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ :

فَضْلُ كَلَامِ اللهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ یعنی اللہ تعالےٰ کے کلام کو دوسرے کلاموں پر وہی شرف حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر۔

پس وجہ اس بے اعتنائی و بے وقعتی کی میں یہ سمجھتا ہوں کہ چونکہ بچپن سے سب کے ہاتھوں میں قرآن پاک آجاتا ہے، اسکی قرأت کرنے لگتے ہیں اور سب کو

---

[1] بے توجہی

آسانی سے مل جاتا ہے، ہر شخص بسہولت اس کا مالک ہو جاتا ہے تو بجائے اسکے کہ تعلق ومناسبت قرآن سے زیادہ ہو الٹے اسکی قدر وحرمت اذہان وقلوب سے کم ہو جاتی ہے ؎

اے گراں جاں خوار دیدستی مرا ﴿ زاں کہ بس ارزاں خریدستی مرا

اے کاہل چونکہ تونے مجھکو سستا خریدلیا ہے، اسی لئے بے وقعت سمجھتا ہے

ہر کہ او ارزاں خرد ارزاں دہد ﴿ گوہرے طفلے بقرص ناں دہد

کیونکہ جس چیز کو کوئی شخص سستا خریدتا ہے سستا ہی دے بھی دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھو ایک بچہ روٹی کے ایک ٹکڑے کے عوض بیش قیمت موتی اور ہیرا دے ڈالتا ہے۔

حالانکہ لوگوں کو نہیں معلوم کہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جو چیزیں عزیز ترین ہیں اور انکی ضرورت عام طور پر پڑا کرتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ورأفتِ کاملہ کے سبب زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مثلاً گھاس، نمک، پانی، ہوا۔ نہ کہ موتی اور یاقوت وزعفران وغیرہ۔ کیونکہ ان کی ضرورت خاص خاص ہی مواقع پر پڑا کرتی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے انکو عام نہیں فرمایا۔ اسی طرح قرآن پاک جو اعز الکتب[1] ہے۔ کثرت سے پایا جاتا ہے اور دوسری کتابوں سے کم قیمت میں دستیاب بھی ہو جاتا ہے مگر لوگوں کی ذہنیت بالکل بدل گئی ہے کہ کتاب وسنت کے علم سے اس قدر خوش نہیں ہوتے جتنا دوسرے علوم سے۔

(اس مضمون کو ملا علی قاریؒ نے مرقات میں ایک حدیث کی شرح کے تحت بیان فرمایا ہے)

اللہ تعالیٰ نے جب قرآن کو عزیز وعظیم بنایا ہے تو سب پر فرض ہے کہ اس کی افضلیت کا اعتقاد کریں، اس کے سامنے ہر چیز کو کمتر اور ہیچ سمجھیں۔ قرآن پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اعلیٰ واعظم معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان[2] کے حضور کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ:

---

[1] عظمت۔ [2] سب کتابوں سے عزیز ومحترم۔ [3] احسان رکھنا۔

وَلَقَدْ آتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ہم نے آپکو (ایک بڑی بھاری نعمت یعنی) سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور وہ (بوجہ جامع مضامین عظیمہ ہونیکے اس قابل ہیں کہ اس کے دینے کو یوں کہا جائے کہ) قرآن عظیم دیا (مراد اس سے سورۂ فاتحہ ہے جو بوجہ عظیم ہونے کے ام القرآن سے ملقب ہے) پس اس نعمت و منعم کیطرف نگاہ رکھئے کہ موجب فرح و سرور ہو ان لوگوں (کفار) نے عنادؔ و خلاف کیطرف التفات نہ کیجئے اور (اپنی آنکھ اٹھا کر بھی اس چیز کو نہ دیکھئے (نہ تأسفاً نہ غیظاً) جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں (مثلاً یہود و نصاریٰ مجوس و مشرکین) کو برتنے کیلئے دے رکھی ہیں (اور بہت جلد ان سے جدا ہو جائیگی) اور ان (کی حالت کفر) پر (کچھ) غم نہ کیجئے اور مسلمانوں پر شفقت رکھئے۔

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونیکے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر شدید الاحتیاط ہو گئے کہ دنیوی نعمتوں کیطرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ آپ کے غنا و توکل کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ آپ کے اصحاب کا یہ حال ہوا کہ سب چیزوں سے منہ موڑ کر قرآن کو اختیار کر لیا اور اپنے شعر و شاعری کو ترک کر کے بس قرآن ہی کیساتھ مترنم ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت و دولت نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت صاحب روح المعانی نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے کہ:

عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ من اوتی القرآن فرای ان احداً اوتی من الدنیا افضل مما اوتی فقد صغر عظیما و عظم صغیرا۔

(ترجمہ) حضرت ابو بکر صدیق رض سے روایت ہے کہ جو شخص قرآن (جیسی عظیم نعمت) دیا گیا پھر بھی اس نے یہ خیال کیا کہ کوئی شخص (دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت) اس کے قرآن کی نعمت سے افضل دیا گیا ہے تو اس نے شئ عظیم کی تصغیر کی اور چھوٹی چیز کی تعظیم کی۔"

لہ سرکشی و مخالفت۔ ؎۲ نہ بطور افسوس نہ بطور غصہ۔

ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر ناراضی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسکی توقیر کی یہ اس کی تحقیر کر رہا ہے اور جس کی تعظیم کی اس کی توہین کر رہا ہے۔

صاحب روح المعانی نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ خبر مروی تو ضرور ہے مگر یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے مروی ہے میں اس پر واقف نہیں ہوا۔ اس حدیث کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے تفسیر مظہری میں حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ سے روایت کیا ہے۔ اور امام غزالیؒ بھی اس حدیث کو لائے ہیں۔ بہرحال اس روایت کی صحت میں کچھ کلام نہیں ہے۔

کلام پاک کے اوصاف

ایک اور حدیث سنئے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرآن پاک کے بہت سے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

عن الحارث الاعورؒ قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخبرتہ۔ فقال اوقد فعلوھا قلت نعم قال اما انی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول انہا ستکون فتنۃ قلت ما المخرج منہا یا رسول اللہ؟ قال کتاب اللہِ. فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل، من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغی الھدیٰ فی غیرہ اضلہ اللہ ھو حبل اللہ المتین وھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم ھو الذی لا یزیغ بہ الاھواء ولا تلتبس بہ الالسنۃ ولا یشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولا ینقضی عجائبہ ھو الذی لم تنتہ الجن اذ سمعتہ حتٰی قالوا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ من قال بہ صدق ومن عمل بہ اجر ومن حکم بہ عدل ومن دعا الیہ ھدی الیٰ صراط مستقیم۔

(ترمذی۔ فضل القرآن ص ۱۱۴/۲)۔ (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب فضل القرآن)

ترجمہ :- حضرت حارث اعورؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا گذر مسجد میں ہوا دیکھا کہ لوگ ادھر اُدھر کی بیکار باتوں میں مشغول ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی اطلاع کی تو فرمایا کہ کیا واقعی لوگ ایسا کر رہے ہیں میں نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگو! سنو عنقریب فتنۂ عظیم ہونیوالا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اسوقت فتنہ سے نجات کا کیا ذریعہ ہوگا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب (اسلئے کہ) اس کے اندر پہلے لوگوں کے احوال کا ذکر ہے اور آئندہ ہونیوالے امور کی خبریں ہیں وہ تمہارے آپس کے اختلاف کا حل و فیصلہ ہے۔ وہ حق و باطل کے درمیان فاصل ہے۔ وہ کوئی ہزل (مذاق) نہیں ہے (بلکہ وہ سب حق ہے) جو جابر (اور متکبر) اسکو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اسکو ہلاک کر دیں گے اور جو شخص ہدایت کو قرآن کے غیر میں تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسکو گمراہ کر دیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مستحکم رسی ہے اور ذکرِ حکیم ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے اور ایسی چیز ہے کہ اہواء (خواہشات) اس کی موافقت کیوجہ سے حق سے علیحدہ نہیں ہوتیں اور (اسکی قرارت میں) زبانوں کو دشواری نہیں ہوتی اور علماء کو اس سے سیری نہیں ہوتی اور یہ قرآن کثرتِ تکرار سے پرانا نہیں ہوتا (کہ پڑھنے یا سننے سے جی اکتانے لگے) اور اس کے عجائبات بھی ختم ہونیوالے نہیں ہیں۔ یہی وہ کلام ہے جس کو سنکر جن بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہِ راست کی ہدایت کرتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور جس نے قرآن کیواسطے سے کوئی بات کہی تو سچی بات کہی، اور جس نے اس پر عمل کیا وہ ماجور ہوا اور جس نے اس کے ذریعہ کوئی فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی جانب مخلوق کو دعوت دی وہ سیدھے راستہ کیطرف ہدایت کیا گیا۔

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے کیا کیا اوصاف بیان کئے ہیں۔ آپ سے زیادہ کون بیان ہی کر سکتا ہے، آپ پر نازل ہوا ہے آپ سے زیادہ اس کے اوصاف و علوم و معارف کو کون سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا ہی حدیث کو ملاحظہ فرمالیجئے کہ کوئی قرآن کی تعریف ان الفاظ میں کر سکتا ہے؟ ہمارے

اسلاف نے اسکو ایسا ہی سمجھا اور اس کی قدر و منزلت کی جس کے صلہ میں انکو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی معزز و مکرم فرمایا۔ آج ہم نے اسلاف کا یہ سبق بھلا دیا اسلئے اللہ تعالیٰ کی نظر اعتبار سے ساقط ہو گئے۔ اور لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل و خوار ہو گئے۔

قوموں کی رفعت و پستی کا راز

چنانچہ مشکوٰۃ میں یہ حدیث آئی ہے کہ:

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ یرفع بھٰذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین۔ (مشکوٰۃ)

(ترجمہ) حضرت عمر ابن خطابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی (قرآن) کے ذریعہ بہت سی قوموں کو رفعت و بلندی بخشیں گے اور کتنی قوموں کو اسی کیوجہ سے پست فرما دیں گے۔

اس کے تحت صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ:

(بھٰذا الکتاب) ای بالایمان بہ وتعظیم شانہ والعمل بہ والمراد بالکتاب القرآن البالغ فی الشرف وظہور البرہان (اقواما) ای درجۃ جماعات کثیرۃ فی الدنیا والاٰخرۃ بان یحییم حیاۃ طیبۃ فی الدنیا ویجعلہم من الذین انعم اللہ علیہم فی العقبیٰ (ویضع بہ اٰخرین) ای الذین کانوا علیٰ خلاف ذٰلک عن مراتب الکاملین الیٰ اسفل السافلین قال اللہ تعالیٰ (یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا) فہو ماءٌ للمحبوبین و دِمَاءٌ للمحجوبین وقال عزوجل وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا۔ وقال الطیبی فمن قرأہ وعمل بہ مخلصًا رفعہ اللہ ومن قرأہ مرائیا غیر عامل بہ وضعہ اللہ

(مرقات ص۵۰۰ ج۲)

(ترجمہ) (اس کتاب کے ذریعہ) یعنی اس پر ایمان لانے اسکی تعظیم وتکریم کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنیکی وجہ سے۔ اور کتاب سے مراد قرآن شریف ہے جو شرف وکرامت اور ظہور برہان کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے (اقوام کو رفعت بخشیں گے) یعنی کثیر جماعت کو اس کی وجہ سے دین و دنیامیں درجات عطاء فرماویں گے۔ اسطرح کہ دنیا میں ان کو حیاتِ طیبہ عطا فرماویں گے اور آخرت میں ان حضرات کے زمرہ میں شامل فرماوینگے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور جو لوگ ایسے نہ ہوں گے ان کو کاملین کے مراتب سے اتار کر اسفل سافلین میں گرا دینگے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ اس کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔ الغرض یہ قرآن محبوبوں کیلئے تو (میٹھا) پانی ہے (کہ اس سے سیرابی حاصل کرتے ہیں) اور محجوبوں (اور محروموں) کے لئے خون ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم قرآن میں ایسی چیز نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں تو شفا ورحمت ہے اور ناانصافوں (اور نافرمانوں) کو اس سے الٹا نقصان بڑھتا ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اسکو پڑھا اور اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کیا اللہ تعالیٰ اسکو رفعت بخشیں گے اور جو محض ریاکاری کے لئے تلاوت کریگا اور عمل نہ کریگا اسکو پست فرماویں گے۔

دیکھئے اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی دونوں ہی صفت ہے جیسے اس پر ایمان لانے اور اس کی تعظیم وتکریم کرنے اور اس کی تلاوت کرنے سے عزت ورفعت ملتی ہے ویسے ہی یہ بھی ہے کہ اس پر ایمان نہ لانے اسکی تعظیم وتوقیر نہ کرنے اور اس کی تلاوت نہ کرنے سے ذلت وپستی بھی ملتی ہے۔ چنانچہ آج ہم لوگ جو ذلیل وخوار ہیں۔ دنیا میں ساقط الاعتبار[1] ہیں اس کی وجہ اغیار نہیں ہیں بلکہ اس کے سبب خود ہم لوگ ہیں کہ ہم نے کتاب اللہ سے تعلق کو قطع کر دیا۔ اسکی تعظیم وتوقیر سے، اسکی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے استغناء وبے اعتنائی برتی تو کلام اللہ بھی ناراض ہوگیا، اس نے اپنے فیوض وبرکات سے

---

[1] بے وقعت۔ ذلیل۔

محروم کردیا۔ ہمارے اس استغناء کی نحوست کیوجہ سے ذلت ورسوائی نازل ہوئی۔ سنیئے
قرآن کے بند (ترک) کا یہ تو دنیا میں انجام بد ہے، اس سے بڑھ کر عذاب ونکال[1]
آخرت میں ہوگا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن
یتأکل بہ الناس جاء یوم القیامۃ ووجہہ عظم لیس علیہ لحم (مشکوٰۃ شریف)

(ترجمہ) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس
شخص نے قرآن کو اس لئے پڑھا کہ لوگوں سے اس کے ذریعہ تاکل کرے (یعنی ذریعہ معاش بناوے)
قیامت کے دن اس حال میں آوے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی ہی ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا۔

اس کی وجہ صاحب مرقاۃ نے بہت عمدہ بیان فرمائی ہے سنئے فرماتے ہیں کہ:

لما جعل اشرف الاشیاء واعظم الاعضاء وسیلۃ الی ادناہا وذریعۃ
الی اردئہا جاء یوم القیامۃ فی اقبح صورۃ واسوء حالۃ۔

قال بعض العلماء استجرار الجیفۃ بالمعازف اہون من استجرارہا بالمصاحف
وفی الاخبار من طلب بالعلم المال کان کمن مسح اسفل مداسہ ونعلہ بمحاسنہ
لینظفہ۔ (مرقات ص۶۲۵ ج ۲)

(ترجمہ) جبکہ اس شخص نے اشرف الاشیاء (یعنی قرآن پاک) اور اعلیٰ ترین عضو (یعنی
چہرہ) کو ادنیٰ اور انتہائی ردی شے کی تحصیل کا ذریعہ بنایا تو قیامت میں وہ نہایت قبیح صورت اور
بدترین حالت میں آئے گا۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مردار کا کھینچنا آلات لہو لعب سے اہون ہے اس سے کہ اسکو مصاحف سے
کھینچا جاوے (یعنی دنیا کو گا بجاکر حاصل کرنا اتنا برا نہیں ہے جتنا قرآن پاک کو دنیا کمانے کا ذریعہ
بنایا جائے) اور اخبار میں ہے کہ جس شخص نے علم کے ذریعہ مال کمایا اس کی مثال ایسی ہے کہ
جیسے کوئی اپنے جوتے کے تلے کو صاف کرنے کیلئے اپنی داڑھی سے پونچھے۔

ان احادیث سے قرآن عظیم کا مرتبہ کتنا اعلیٰ معلوم ہوتا ہے کہ جسکو بھی دارین میں

---

[1] سزا اور رسوائی۔

عزت و رفعت ملتی ہے اسی قرآن کے ذریعہ ملتی ہے اور جسکو بھی دارین میں ذلت و پستی ملتی ہے اسی قرآن کے ترک سے ملتی ہے (جیسا کہ کفار کو ملی) چنانچہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی شکایت ان الفاظ میں فرمادینگے۔

قیامت میں قرآن کا مخاصمہ

یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ○ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظرانداز کر رکھا تھا:

نیز ایسے لوگوں سے قرآن بھی محاجّہ کرے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَنْ قَرَأَ فِیْ لَیْلَۃٍ مِّاْئَۃَ اٰیَۃٍ لَمْ یُحَاجَّہُ الْقُرْاٰنُ یعنی جو شخص رات میں سو آیت پڑھ لے گا تو اس سے قرآن مُحاجہ نہ کرے گا:

اس کے تحت صاحب مجمع البحار تحریر فرماتے ہیں کہ دَلَّ عَلٰی لُزُوْمِ قِرَاءَتِہٖ عَلٰی کُلِّ اَحَدٍ وَاِنْ لَّمْ یَقْرَأْ خَاصَمَہٗ یعنی اس حدیث نے اس بات پر دلالت کی کہ ہر شخص پر اس قدر قراءت لازم ہے ورنہ اس سے قرآن مخاصمہ و مُحاجّہ کرے گا:

یہ کس قدر ڈرنے کی بات ہے کہ بعض صورتیں ایسی بھی قیامت میں پیش آئیں گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک بجائے شفاعت کے محاجّہ کریں گے پھر بتلائیے اس وقت نجات کی کیا صورت ہوگی۔ اَعَاذَنَا اللہُ مِنْھَا۔

اہلِ علم کی بعض عمومی کوتاہی اور مصلح الامتؒ کی بلیغ تنبیہ

اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ کتاب اللہ کے فضائل سے کتب احادیث پُر ہیں شارحین نے ان احادیث کی خوب خوب شرحیں کی ہیں اور عجب عجب مطالب بیان فرمائے ہیں کہ اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو قرآن کی عظمت قلب میں پیوست ہوجائے مگر عوام تو عوام علماء کے اذہان و قلوب ان مضامین سے خالی ہیں۔ اور جب علم ہی نہیں

لہ جھگڑا کرنا۔

پھر "تا بہ عمل چہ رسد"[1] اور جب علماء ہی اس سے عاری ہیں، پس تا بہ عوام چہ رسد (یعنی پھر عوام کا کیا حال ہوگا)

اب علماء کو قرآن پاک کے مضامین سے ذوق نہیں رہا اور نہ ان مضامین سے انکو حظ (ولطف) باقی رہا الا ماشاء اللہ۔ یہ حضرات خود تلاوت میں تقصیر (کوتاہی) کرتے ہیں اور دوسرے اعمال میں جن میں انکو حظ ہے بہت ہی شوق سے امتثال[2] کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کلام اللہ کی تلاوت کیجئے اور مسلمانوں کو اسکی ترغیب دیجئے جس سے مسلمانوں کا تعلق کلام اللہ سے پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبت حاصل ہو تو اس کے لئے ہرگز ہرگز آمادہ نہیں ہوتے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی انکو پرانی کتاب سمجھ لیا ہے۔ اس کے مضامین کو دیرینہ خیال کر لیا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ پہلے لوگوں نے جو کچھ اس کے متعلق کہا یا کتابوں میں لکھ دیا وہ کافی ہے۔ اب ہمکو ان مضامین کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کو بس ایسی نئی نئی باتیں بیان کرنی چاہئے جس سے لوگ واہ واہ کریں اور بس جب یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو قرآن پاک کے مضامین میں مزید تدبر و تفکر کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔

اب بھی اگر اصولی اور بنیادی باتیں بیان کی جائیں اور مسلمانوں کے سامنے اصلی دین پیش کیا جائے اور کتاب و سنت کو واضح طور پر احوالِ زمانہ کے مطابق پیش کیا جائے تو اب بھی مسلمان کتنے ہی گئے گذرے سہی ان باتوں کو مانیں گے اور عمل کریں گے اس لئے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے۔ جب کتاب اور سنت کی بات آتی ہے تو ضرور ایمان میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان اس کیطرف اقبال (توجہ) کرتے ہیں مگر کوتاہی و قصور ہمیں لوگوں کا ہے کہ صحیح طور پر دین پہونچایا نہیں جا رہا ہے مثلاً تلاوتِ کلام اللہ ہی ہے اس کے فضائل جو احادیث میں مذکور ہیں اگر انکو پیش کیا جائے کہ تمہارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ہیں، دیکھو اس میں تلاوت کی کتنی

---

[1] عمل کی نوبت کہاں آئے گی۔ [2] تعمیلِ حکم۔

ترغیب ہے اور کس کس طرح تحضیض[1] فرمائی ہے اور اس کے چھوڑنے پر کتنی تہدید فرمائی ہے اور کس قدر وعیدوں کا ذکر فرمایا ہے۔ تو کیا کوئی مسلمان ایسا بھی ہوگا جس کے دل پر اثر نہ ہوگا ؟ کیا اسکو تلاوت کیطرف رغبت نہ ہوگی، اور ترک کی صورت میں اس کو خوف نہ ہوگا ؟ اگر نہ ہو تو وہ مسلمان ہی کیا ہے وہ تو خالص منافق ہے۔

فرائض تلاوت اور دوسرے اذکار میں فرق مراتب

در ربیہ بیان نہ کرنے ہی کا کرشمہ ہے کہ عام طور پر اذہان میں یہ خیال راسخ ہوگیا ہے کہ اشغال و اوراد مروجہ کا اللہ تعالےٰ سے نسبت اور ولایت کی تحصیل میں جو درجہ ہے وہ تلاوت قرآن کا نہیں ہے۔ اسی طرح نوافل کی اہمیت فرائض سے کہیں زیادہ سمجھتے ہیں۔ یوں فرض فرض زبان سے کہتے تو ہیں مگر ان کے حال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکو اعتقاد ہی نہیں ہے کہ فرائض سے اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ حدیث میں تصریح ہے کہ سب سے زیادہ قرب اللہ تعالےٰ کا فرائض کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تلاوت کلام اللہ کی نسبت بھی اکابر کی تصریح ہے کہ سب اذکار سے بڑھکر تلاوتِ کلام اللہ ہے۔ چنانچہ منجملہ ملفوظات حضرت خواجہ بابا فرید شکر گنج ؒ کے (جنکو سلطان نظام الدین اولیاء ؒ نے جمع فرمایا ہے) یہ ہے کہ کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ مناسب ہے کہ اس کی تلاوت کیا کریں۔ اور اس کا نتیجہ کل طاعتوں سے بڑھکر ہے۔ دیکھئے یہ بابا فرید شکر گنج ؒ کا تو ملفوظ ہی ہے جنکو حضرت نظام الدین اولیاء ؒ نے نقل فرمایا ہے۔ پھر حضرت مولانا تھانوی ؒ نے اپنے رسالہ میں درج فرمایا تو اس مضمون پر تین بزرگوں کا اتفاق ہوگیا۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کی عبادات میں سب سے افضل تلاوت قرآن ہے۔ پس جب فرائض اور تلاوتِ قرآن کی افضلیت پر نص وارد ہے اور اہل اللہ کا بھی یہی دستور رہا ہے کہ فرائض و تلاوت کلام اللہ کیطرف ترغیب دیتے آئے

---

[1] ابھارنا۔

آئے ہیں تو پھر آپ کون ہوتے ہیں کہ ان کے درجے کو کم سمجھیں اور دوسرے اشغال و وظائف کو عظیم سمجھیں اللہ تعالیٰ نے جسکو جو درجہ عطا فرمایا ہے اسکو ویسا ہی اعتقاد کرنا چاہیئے اور مراتب میں اسی اعتبار سے فرق کرنا چاہیئے۔ فرائض کا مرتبہ نوافل سے زیادہ سمجھنا چاہئے، اس میں قرب زیادہ محسوس کرنا چاہیئے۔ اس کے اثرات کو نفل کے اثرات سے بالاتر یقین کرنا چاہئے۔ اسلئے کہ فریضہ ہی اصل ہے، نوافل تو تکمیلِ فرائض کیلئے مشروع ہوئے ہیں۔ فرع کو اصل کا درجہ دینا یا اس سے افضل سمجھنا کس قدر خلافِ عقل اور ضلالت کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتنی ناراضی کی چیز ہے۔

اسی طرح تلاوت کلام اللہ کو بھی سمجھئے کہ جملہ اذکار سے یہ افضل ہے۔ قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دوسرے اذکار اس سے ادنیٰ و کمتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی تلاوت سے جتنی خوشی ہوتی ہے دوسرے کلام سے نہیں۔ یہ سب آپ کو اعتقاد کرنا ہوگا۔ اسلئے کہ یہ سب نصوص میں وارد ہیں۔ ع

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی (اگر فرق مراتب کا لحاظ نہ کیا تو گمراہ ہو جاؤ گے)

آج کل اعتقاد میں فساد آگیا ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اعمال میں اتنا بگاڑ نہیں آیا ہے جتنا اعتقاد میں بگاڑ ہو گیا ہے۔ چنانچہ بطور رسم سب اعمال کچھ نہ کچھ جاری ہیں مگر ان کے احوال سے اندازہ لگتا ہے کہ اعتقادات چوپٹ ہو گئے ہیں۔

اسی کو دیکھ لیجئے۔ اب بھی لوگ اہل اللہ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی باطنی دولت ہے جو سینہ بسینہ چلی آرہی ہیں۔ اسی کو حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں مگر جب ان سے بتلایا جاتا ہے کہ اس کے حاصل کرنیکا طریقہ شریعت کی پابندی ہے۔ یعنی نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، تلاوتِ کلام اللہ کرنا وغیرہ تو تسلیم نہیں کرتے۔ سمجھتے ہیں کہ اصل طریقہ ہم سے چھپایا جا رہا ہے۔ اس طرح بدظن ہو جاتے ہیں۔

آپ لوگ خود بتلایئے کہ یہ بداعتقادی ہے یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس

چیز کو فرض کیا اور سب سے زیادہ اس میں قرب رکھا اور تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کے خلاف سمجھے۔ اور میں کہتا ہوں کہ آج کل جو محرومی ہے اسکی واحد وجہ یہی بداعتقادی ہے۔ فرائض کے فیوض و برکات سے تو اس طرح محروم رہے کہ اس کے فیوض و برکات کے معتقد ہی نہیں اور نوافل سے اس طرح کہ اتنی فرصت ہی نہیں کہ نوافل میں مشغول ہوں۔ اگر نوافل پڑھیں بھی تو ایسی سخت بداعتقادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو کب گوارا ہوگا کہ اپنے خاص انعامات سے نوازیں۔ یہ ایک اہم مغالطہ ہے جس میں عوام و خواص بھی بتلا ہیں اسلئے میں نے اس پر ذرا تفصیل سے کلام کیا ہے۔ امید کہ نفع ہوگا، انشاء اللہ۔

ذکر اللہ کی فضیلت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے بلکہ اس کے کثرت کی تاکید ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم پر شرائع اسلام کثیر ہوگئے ہیں کوئی ایسی چیز بتلائیے جسکو مضبوطی سے پکڑلوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (رواہ ترمذی و ابن ماجہ) یعنی تمہاری زبان ہمیشہ ذکر اللہ سے تر رہنی چاہئے۔

سادات صوفیہ نے اسکو سلوک و تسلیک کیلئے اختیار کیا ہے اور اس کے منافع و نتائج بھی مرتب ہوئے ہیں اور ذاکرین کو نسبت مع اللہ حاصل ہوئی ہے تو اس کا کوئی شخص کیسے انکار کرسکتا ہے۔

پس ذکر اللہ ضرور کرنا چاہئے اس میں خاصہ ہے توجہ کے ایک مرکز پر مجتمع ہوجانے کا اور اس کا یہ موضوع ہے اس لئے بلتدی کو یہ بتلایا جاتا ہے۔ جب توجہ ایک مرکز پر مجتمع ہوجاتی ہے پھر یہی ذکر مسنون کرایا جاتا ہے کیونکہ ہر ذکر کا ایک خاص اثر ہوتا ہے وہ سب بھی حاصل ہوں قرآن پاک[1] کی تلاوت بھی کریں اسلئے کہ کلام پاک تمام اثرات کا حاوی و جامع ہے وہ بھی آہستہ آہستہ حاصل کرتے رہیں اور قرآن پاک سے مناسبت بڑھتی رہے چونکہ قرآن میں مختلف

---

[1] اسلامی احکام

الفاظ اور مختلف مضامین پر گذر ہوتا ہے اسکی وجہ سے یکسوئی جلدی نہیں معلوم ہوتی، تشتت[1] رہتا ہے اور توجہ ایک مرکز پر مجتمع نہیں ہوتی اسلئے ابتداء میں ذکر کی کثرت بتلائی جاتی ہے۔ اور میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس کا بھی (تلاوتِ قرآن کا) اثر ہوتا ہے اور کیفیت ملتی ہے اور ایسی لطیف ہوتی ہے کہ ابتداء میں محسوس نہیں ہوتی۔ جب آدمی تلاوت برابر کرتا رہتا ہے تو مناسبت بڑھتی رہتی ہے اور کچھ دنوں کے بعد نفع محسوس بھی ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تلاوت سے ابتداءً نفع نہیں ہوتا۔ ہوتا ابتداء ہی سے ہے مگر احساس عرصہ کے بعد ہوتا ہے۔

اب رہا یہ کہ جو قاضی ثناء اللہ صاحبؒ اور حضرت مجدد صاحبؒ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے اس کا مطلب بیان کرتا ہوں۔

فنائے نفس سے پہلے تلاوتِ قرآن کا مقام

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ ارشاد الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں:

"نفس کو فنا کرنے سے پہلے کثرتِ نوافل اور تلاوت قرآن سے قرب الٰہی میں ترقی نہیں ہوتی" (تحفۃ السالکین ترجمہ ارشاد الطالبین صہ ۵۱)

اور مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ:-

ان الصوفی لا یجد برکات القرآن الا بعد فناء نفسہ وتطہرہ من الرذائل واما قبل الفناء فقراءۃ القرآن لہ داخل فی عمل الابرار وبعد فناء النفس والفاعینھاء اثرھا فمراتب القرب الی اللہ سبحانہٗ منوط بتلاوۃ القرآن۔ (تفسیر مظہری صہ ۱۸۳/۹)

(ترجمہ) یقیناً صوفی قرآن کے برکات کو حاصل ہی نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کا نفس رذائل سے پاک وصاف ہوکر فنا نہ ہوجائے اور قبل فنا تو قرارت قرآن اعمالِ ابرار میں سے ہے

---

[1] پراگندگی وانتشار

اور فنائے نفس اور اس کے آثر وعین کے زوال کے بعد قرب الی اللہ کے تمام مراتب تلاوتِ قرآن ہی سے مربوط و وابستہ ہیں۔"

تو ان حضرات کا مطلب یہ ہے کہ نفس جب تک فنا نہیں ہوتا اور اس کے اثرات زائل نہیں ہوئے ہوتے اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے مانع بنا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ و بندے کے درمیان حجاب رہتا ہے جب یہ حجاب مرتفع ہوتا ہے تو قرب کے خاص مراتب حاصل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو قرب فنا رِ نفس پر موقوف ہے وہ اس سے پہلے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ جب نفس کو فنا رکیا جائیگا جب ہی وہ قرب حاصل ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ نوافل و قرآن کی قرارت کا فنائے نفس سے پہلے کوئی نفع ہی نہیں بلکہ اس سے نفع ہوتا ہے، ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ خود مجدد صاحب فرما رہے ہیں کہ فنائے نفس سے پہلے کی قرارت عمل ابرار میں داخل ہے تو کیا یہ کم مرتبہ ہے؟

تلاوت صحیحہ فنارِ نفس کا ذریعہ۔ قلب میں جلار و نور کا وسیلہ ہے

اور میں کہتا ہوں کہ قرارت قرآن کا نفس کے فنا میں دخل عظیم ہے۔ اگر تلاوت قاعدے کی جاوے تو اسی سے نفس بھی فنا ہو جائیگا پھر اسی قرارت سے مراتب قرب بھی حاصل ہوں گے آخر ذکر تو اسی لئے بتلایا جاتا ہے کہ فنائے نفس حاصل ہو پھر ذکر سے بھی تو فوراً ہی فنا حاصل نہیں ہوتا بلکہ عرصہ تک کرتے رہنے سے نفس مرتا ہے اسی طرح تلاوت سے بھی کچھ دنوں کے بعد فنا حاصل ہوگا اور جیسے ذکر میں کوئی مدت و مقدار مقرر نہیں طالب کی استعداد پر ہے جیسی استعداد ہو گی اتنی ہی مدت لگے گی۔ یہی حال تلاوت کا بھی ہے کہ اگر استعداد قوی ہے تو فنائے نفس جلدی اور اگر ضعیف ہے تو دیر میں حاصل ہوگا۔

اور یہ بھی صوفیہ فرماتے ہیں کہ فقط ذکر اللہ سے نفس فنا نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ کلام سے بڑھ کر کس چیز میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات

ہوں گی۔ جب اوراذ کار میں نفس کے فنا کر دینے کی استعداد ہے تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے بدرجہ اولیٰ فنائے نفس حاصل ہوگا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جملہ اذکار سے زیادہ قوت وتاثیر رکھی ہے۔ پس ذکر کیطرف جتنی توجہ کرنے سے فنا حاصل ہوتا ہے اتنی ہی بلکہ اس سے کم ہی تلاوت کیطرف توجہ کی جاوے تو ضرور فنائے نفس حاصل ہوگا۔

اور دیکھئے مجدد صاحبؒ نے کتنی عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ مراتب قرب تلاوت پر منوط[1] ہیں۔ یہی میں بھی کہہ رہا ہوں۔ یہ تو میرے مقصود کے بالکل مطابق ہے کہ جو مرتبہ بھی ملتا ہے وہ تلاوتِ قرآن ہی سے ملتا ہے۔ جس درجہ کی تلاوت ہوتی ہے ویسا ہی قرب و مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اگر تلاوت فنائے نفس سے پہلے ہے تو یہ منجملہ اعمال ابرار کے ہے، اور اگر فنائے نفس کے بعد ہے تو مقربین کے اعمال سے ہے واللہ اعلم۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ مبتدیوں کو اس سے نفع نہیں ہوتا تو کوئی تلاوت کرے گا ہی نہیں اور انتہا تک شاید ہی کسی کی رسائی ہو۔ یہاں تک کہ موت آجائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس حالت میں وفات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے ذرا ذوق و حظ حاصل نہ ہوگا۔ اور اس حال میں اپنے پروردگار سے ملاقی[2] ہوگا کہ دل میں کلام اللہ سے ذرا تعلق و مناسبت نہ رکھے گا۔ پس یہ کتنا بڑا حرمان ہوگا۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مصلح و مرشد کو چاہئے کہ بار بار اس سے یہ کہتا رہے کہ تلاوت دل سے کرو، محض سرسری اور لسانی مت کرو۔ سرسری تلاوت پر جو وعیدیں ہیں اسکو سناتا رہے اور اس سے احتراز کا امر کرتا رہے تو ضرور نفع ہوگا اور کیوں نہ ہوگا۔ قرآن کسی خاص طبقہ کے لئے تو نازل نہیں ہوا ہے؟ امت میں تو ہر قسم کے لوگ ہیں، جوان بھی بوڑھے بھی، مبتدی بھی متوسط اور منتہی بھی۔ تو پھر کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ تالی[3] کی استعداد کے مطابق فائدہ ہوگا۔ مبتدی کو اس کی استعداد کے مطابق اور

---

[1] موقوف ۔ [2] ملاقات کرنیوالا ۔ [3] تلاوت کرنے والا ۔

منتہی ومتوسط کو انکی استعداد کے مناسب، مگر فائدہ سب کو ہوگا۔ پس سب لوگ تلاوت کے مکلف ہیں کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔

اور وہ قصہ جسکو مرقاۃ میں ملاعلی قاریؒ نے ذکر کلمہ طیبہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے نقل فرمایا ہے کہ:

ان السید علی بن میمون المغربی لما تصوف فی الشیخ علوان الحموی وھو کان مفتیاً مدرساً فنھاہ عن الکل واشغلہ بالذکر فطعن الجہال فیہ بانہ اضل شیخ الاسلام ومنعہ عن نفع الانام ثم بلغ السید انہ یقرأ القرآن احیاناً فمنعہ منہ فقال الناس انہ زندیق یمنع من تلاوۃ القرآن الذی ھو قطب الایمان وغوث الایقان لکن طاوعہ المرید الی ان حصل لہ المزید وانجلت مرأۃ قلبہ وحصل مشاھدۃ ربہ فأذن لہ فی قراءۃ القرآن فلما فتح المصحف فتح علیہ الفتوحات الازلیۃ والابدیۃ وظھر لہ کنوز المعارف والعوارف فقال السید انا ما کنت امنعک عن القرآن وانما کنت امنعک عن لقلقۃ اللسان والغفلۃ عما فیہ من البیان فھذا الشان۔ واللہ المستعان۔ (مرقات ص۱۳ ج۳)

(ترجمہ) سید علی ابن میمون مغربی نے جب شیخ علوان حموی میں تصرف فرمایا جو کہ مفتی اور مدرس تھے تو ان کو افتاء وتدریس کے تمام کاموں سے منع فرمادیا اور ذکر اللہ میں مشغول فرمادیا تو جہلاء نے سید علی ابن میمون کے بارے میں زبانِ طعن دراز کی۔ اور کہنے لگے کہ انھوں نے تو شیخ الاسلام کو گمراہ کردیا اور مخلوق کو جو نفع ان سے ہورہا تھا اسکو روک دیا۔ پھر سید علی ابن میمون کو یہ بات معلوم ہوئی کہ شیخ علوان حموی کبھی کبھی تلاوتِ قرآن کر لیتے ہیں تو اس سے بھی منع فرمادیا۔ تب ان کے متعلق لوگ کہنے لگے کہ یہ تو زندیق ہے کہ تلاوتِ قرآن سے بھی جو کہ ایمان کا قطب اور ایقان کا غوث ہے منع کرتا ہے۔ لیکن مرید (یعنی شیخ علوان) نے (بلا خوف لومۃ لائم) اپنے شیخ کی اطاعت کی یہانتک کہ انکو بہت سی نئی چیزیں حاصل ہوئیں اور انکے قلب کا آئینہ روشن ہوگیا اور اپنے رب کا مشاہدہ حاصل ہوا۔ اس وقت انکو شیخ نے قرارت قرآن

کی اجازت مرحمت فرمائی پھر انھوں نے جب قرآن پاک کھولا تو فتوحاتِ ازلیہ وابدیہ[1] منکشف مفتوح ہوئے اور ان کے لئے معارف وعوارف[2] کے خزانے ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد سید علی ابن میمونؒ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو قرآن پاک کی تلاوت سے نہیں منع کرتا تھا۔ بلکہ زبان کے لقلقہ[3] سے منع کرتا تھا اور اس شان (لقلقہ لسان اور تلاوت مع غفلت) میں جو وعیدیں آئی ہیں ان سے غفلت کو منع کرتا تھا۔ واللہ المستعان۔

تو اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ :-

سید علی ابن میمونؒ شیخ کامل تھے ان پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے ان عالم کے حال کے مناسب شیخ نے یہی سمجھا ہو کہ ان کو کچھ دنوں کیلئے قرارۃ قرآن سے روکدیا جائے۔ جب ذکر اللہ کر کے کچھ نسبت مع اللہ اور توجہ الی اللہ ہو جائے اس کے بعد تلاوت کا امر کیا جاوے۔ لہٰذا یہ ایک خاص طریقہ ایک مخصوص شخص کیساتھ تھا جو قاعدہ کلیہ نہیں بن سکتا۔ بلکہ یہ خُصُوْصُ وَاقِعَۃٍ لَا عُمُوْمَ لَھَا (یعنی ایک مخصوص واقعہ ہے قانونِ عام نہیں ہے) کے قبیل سے ہے۔

پس عام طور پر یہی کہا جائیگا کہ ذکر اللہ کی پابندی کے ساتھ ساتھ کلام اللہ کی تلاوت کرو اور جی لگا کر کرو، دل پر اثر لے کر کرو۔ اس سے قلب میں صفائی بھی ہوگی جلا و نور بھی حاصل ہوگا۔ مگر کچھ دنوں تک مداومت سے کرنیکی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ چند دن کیا پھر چھوڑ دیا۔ اس سے نفع نہیں ہوتا یہ غلط طریقہ ہے۔ اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ لوگ چند روز ایک کام کرتے ہیں پھر اس کو ترک کر دیتے ہیں۔ مواظبت نہیں کرتے تو بھائی اس سے نفع نہیں ہوگا۔ لوگ دنیوی امور و علوم کی تحصیل کیلئے مدتوں مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ہم سے کامیابی کے لئے دعا بھی کرانے آتے ہیں، اس کے لئے رقمیں صرف کرتے ہیں تب کہیں جا کر کامیابی ہوتی ہے اور سند ملتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا قرب اور انکی رضا اور جنت ہی کیوں اتنی سستی

---

[1] دائمی وابدی رموز واسرار کے ابواب کھل گئے۔ [2] علوم وعطیات الٰہی۔
[3] زبان کی حرکت۔

ہوگئی کہ چند دن عمل کیا وہ بھی دل سے نہیں بلکہ رسماً کیا اور سب درجاتِ عالیہ کے متمنی اور منتظر ہو گئے۔ یہ کب قرین قیاس وانصاف ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ تلاوت کلام اللہ سے قلب کی صفائی ہوتی ہے بلکہ بہ نسبت اوراذکار کے جلد ہی ہوتی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قلب کی صفائی کیلئے موت کے یاد رکھنے اور تلاوتِ قرآن ہی کو فرمایا ہے اور کسی چیز کو نہیں فرمایا چنانچہ

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھٰذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء۔ قیل یارسول اللہ وما جلاء ھا قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن (مشکوٰۃ۔ کتاب فضائل القرآن)

(ترجمہ) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے کہ پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ پھر اس کی صفائی کا کیا ذریعہ ہے۔ فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا، اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

دیکھئے یہ صریح حدیث ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ تلاوت کلام اللہ کرو اسی سے جلاءِ قلب حاصل ہو جائیگا تو ہرگز نہ مانیں گے۔ یہ صریح ضلالت اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ علماء کو بلاتے ہیں ان سے وعظ کہلاتے ہیں مگر تعلیمات کیطرف اصلاً توجہ نہیں کرتے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اور اعمال میں روح نہیں رہ گئی ہے اسیطرح اسکا بھی رسم سے زیادہ درجہ نہیں ہے بلکہ اگر کہدیا جائے کہ اس کا منشا نام و نمود و حظِ نفس[1] ہے تو مضائقہ نہیں اور یہ کہنا برمحل ہوگا۔

تلاوت میں عظمت وتصدیق کیسے پیدا ہو؟

میں نے شروع ہی میں یہ بیان کیا ہے کہ تلاوت مع التصدیق والتعظیم مطلوب اور ماموربہا[2] ہے۔ اسی تلاوت کی فضیلت کثرت سے احادیث میں وارد ہے۔

---

[1] لذتِ نفس۔ [2] جسکا حکم دیا گیا ہو۔

اب اس طرح تلاوت کرنیکا طریقہ بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب تلاوت کا ارادہ کرے اور قرآن پاک لیکر بیٹھے تو یہ مراقبہ[1] کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کسی مخلوق کا کلام نہیں، یا کسی شاعر کا شعر نہیں۔ اس طرح خوب اپنے دل میں کلام اللہ کی عظمت کا استحضار کرے اور اس پر ایمان و تصدیق کو بار بار دل میں لاوے۔ جب خوب اعتقاد و تصدیق ہو جائے تو تلاوت شروع کرے۔ یہ تلاوت ایمان سے ناشی[2] ہوگی اور اس کا تعلق قلب سے ہوگا یہ تلاوت ایمانی وقلبی ہوگی، لسانی و رسمی نہ ہوگی اور جب تلاوت ایمان و اعتقاد سے ہوگی تو چونکہ اعتقاد و ایمان خود کمال ہے اور جملہ کمالات کا موجب بھی تو اسی تلاوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت و محبت اور تمام مراتب قرب حاصل ہو جائیں گے۔ اور یہ قرب ایک وجدانی[3] شئے ہے۔ جو مدرک[4] بالوجدان ہوتی ہے جیسے بھوک و پیاس۔ جو لوگ اعتقاد سے تلاوت کرتے رہتے ہیں بتدریج انکو کیفیتِ وجدانیہ حاصل ہوتی جاتی ہے اور تلاوت کی حلاوت ولذت بڑھتی جاتی ہے، محبت و شوق بڑھتا جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ سے تعلق قوی ہوتا جاتا ہے مگر شرط وہی ہے کہ کلام اللہ کی تعظیم کے ساتھ تلاوت کی جاوے، اعتقاد سے کی جائے ادب و احترام کے ساتھ کی جائے۔

چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے:

فالقاری عند البدایۃ بتلاوۃ القرآن ینبغی ان یحضر فی قلبہ عظمۃ المتکلم ویعلم ان مایقرأہ لیس من کلام البشر وان فی تلاوۃ کلام اللہ عزوجل غایۃ الخطر فانہ تعالیٰ قال لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ وکما ان ظاھر جلد المصحف وورقۃ محروسٌ من ظاھر بشرۃ اللامس الا اذا کان مطہرًا فباطن معناہ ایضًا بحکم عزہ وجلالہ محجوب عن باطن القلب الا اذا کان مطہرًا عن کل رجس مستنیرًا بنور التعظیم والتوقیر وکما لا یصلح للمس جلد المصحف

---

[1] یعنی سوچے اور ذہن میں حاضر کرے۔ [2] پیدا۔ [3] جو حواس باطنی سے معلوم ہو۔
[4] یعنی حواس باطنی سے سمجھ میں آئے گی۔

کل ید فلا یصلح لتلاوۃ حروفہ کل لسان ولا لنیل معانیہ کل قلب۔

(ترجمہ) پس قاری کو چاہئے کہ قرآن کی تلاوت کرنے سے پہلے اپنے قلب میں متکلم کی عظمت کا خوب استحضار کرے اور یہ سمجھے کہ جس کلام کی وہ قرات کرنے جارہا ہے، وہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔

اور یہ بھی جانے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت میں نہایت اہمیت ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے (کلام اللہ کے بارے میں) ارشاد فرمایا ہے کہ اسکو وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں اور جس طرح کہ قرآن شریف کی ظاہری جلد اور اس کے ورق کو انسان کے ظاہری جسم سے بچایا گیا ہے مگر جبکہ طاہر و پاک ہو۔ اسی طرح اس کے باطنی معنی کو بوجہ اس کی عزت اور جلالت شان کے قلب کے باطن سے محجوب رکھا گیا ہے مگر جبکہ وہ قلب ہر نجاست سے پاک اور نور تعظیم و توقیر سے منور ہو۔ اور جس طرح سے کہ جلد قرآن کو چھونے کی ہر ہاتھ صلاحیت نہیں رکھتا ویسے ہی اس کے حروف کی تلاوت کیلئے ہر زبان اہلیت نہیں رکھتی۔ اور اسی طرح ہر قلب اس کے معانی و معارف کو پانے کے لائق نہیں ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے جو تحریر فرمایا آپ نے سمجھ لیا۔ ایک بات امام ہی کی برکت سے یہ عرض کرتا ہوں کہ امام نے جو یہ فرمایا کہ ہر ہاتھ اس کو چھونیکی صلاحیت نہیں رکھتا اسی طرح ہر زبان اس کے حروف کی تلاوت کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اور ہر قلب اس کے حقائق کو حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے تو ٹھیک ہے مگر میں اس کو اس عنوان سے بیان کرتا ہوں کہ ہر ہاتھ اسکو چھونے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر جبکہ باوضو ہو اور اسی طرح ہر زبان اس کے تلاوت کی اہلیت رکھتی ہے مگر جب کہ دل میں ایمان ہو۔ منافقین کیطرح نہیں کہ زبان سے تو تلاوت کرتے تھے مگر دل میں ایمان نہ تھا، اس کی تکذیب کرتے تھے۔ ایسی تلاوت کا اعتبار نہیں۔ اور ہر قلب میں اللہ تعالیٰ نے معانی کو حاصل کرنیکی استعداد رکھی ہے مگر جبکہ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا رہو، ماسوی اللہ کوئی شئے مطلوب نہ ہو یعنی نیت خالص ہو۔ اسی طرح تلاوت ہی سے قلب میں جو نجاست و پلیدگی ہوگی وہ

زائل ہو جائے گی اور پاکی نصیب ہو گی اس لئے کہ ؎

ذکرِ حق پاک است چوں پاکی رسید ؛ رخت بر بندد بروں آید پلید

اللہ تعالیٰ کا ذکر پاک ہے اور جب کہیں پاکی پہونچتی ہے تو ناپاکی وہاں سے بستر باندھ کر رخصت ہو جاتی ہے۔

چوں بر آمد نام پاکش اندر دہاں ؛ نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

جس منہ سے نام پاک نکلتا رہے گا پھر نہ تو وہاں گندگی رہے گی اور نہ ہی وہ منہ پہلے جیسا منہ رہ جائے گا۔

تلاوت کلام اللہ سے قبل پاکی کا مطالبہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نجس شخص سے کہا جائے کہ پاک ہو کر دریا میں داخل ہو اس سے پہلے نہیں، تو جب قرآن پاک قلب کی صفائی اور اس کو ہر نجاست سے پاک کرنے ہی کیلئے نازل ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یَآ اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کیطرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفاء ہے اور رہنمائی کرنیوالی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے) تو بغیر تلاوت ہی کے کیسے شفا اور پاکی حاصل ہو سکتی ہے اور اس سے پہلے نجاسات سے پاکی کا اور امراضِ قلب سے شفا کا مطالبہ کرنا کب مناسب ہو سکتا ہے۔

آگے امام فرماتے ہیں کہ:

ولمثل ھٰذا التعظیم کان عکرمۃؓ ابن ابی جھل اذا نشر المصحف غشی علیہ ویقول ھو کلام ربی ھو کلام ربی۔ فتعظیم الکلام تعظیم المتکلم ولن تحضرہ عظمۃ المتکلم ما لم یتفکر فی صفاتہ وجلالہ وافعالہ (احیاء العلوم جلد ۱ ص ۲۵۳)

(ترجمہ) اور اسی قسم کی تعظیم کیوجہ سے حضرت عکرمہؓ ابن ابی جہل جب قرآن پاک کھولتے تھے تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور بار بار یہ فرماتے تھے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے پس کلام کی تعظیم دراصل متکلم کی تعظیم ہے (یعنی متکلم کی تعظیم سے کلام میں

تعظیم پیدا ہو جاتی ہے) اور متکلم کی تعظیم کا استحضار ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اسکے صفات اور جلال و افعال میں تفکر نہ کیا جائے۔

ف :- امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ بغیر صفات و افعال میں تفکر کے متکلم کی عظمت کا استحضار نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں کہ تلاوت کلام اللہ بنورِ التعظیم و التوقیر سب مدارج کے حصول و تحصیل کا موجب ہے۔ تفکر کی صفت بھی اسی سے پیدا ہو جاتی ہے، خوب سمجھ لیجئے۔

قرآن پاک کی عظمت اور جلالت کو تقریب فہم کے لئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض عارفین کا کلام نقل کیا ہے کہ کلام اللہ کا ہر حرف لوح محفوظ میں جبل قاف[1] سے اعظم اور بڑا ہے۔ اگر تمام ملائکہ جمع ہو کر کسی ایک حرف کو اٹھانا چاہیں تو اٹھانے پر قادر نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ اسرافیل علیہ السلام جو ملک اللوح ہیں آتے ہیں اور آکر اس کو اللہ تعالیٰ کے اِذن و رحمت اور انھیں کی قوت و طاقت سے اٹھا لیتے ہیں۔

اس سے قرآن پاک کی کس قدر عظمت معلوم ہوئی کہ اس قرآن کا عالمِ ملکوت[2] میں یہ درجہ ہے کہ اس کا ہر حرف کوہِ قاف سے بھی بڑا ہے۔ یہ ایک محسوس مثال ہے جسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور کلام اللہ کی عظمت کا قدرے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے۔ آمین۔

عالم ربانی شیخ الاسلام والمسلمین امام محی الدین نووی ؒ اپنی کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں کہ:

"فصل" فی مسائل و آداب ینبغی للقاری الاعتناء بھا وھی کثیرۃ جداً نذکر منھا اطرافاً فاول مایومر بہ الاخلاص فی قراءتہ ان یرید بھا اللہ سبحانہ وتعالیٰ وان لا یقصد بھا توصلاً الی شیٔ سوی ذلک۔ وان یتأدب مع القرأن ویستحضر فی ذھنہ ان یناجی اللہ سبحانہ وتعالیٰ

---

[1] کاکیشیا کے شمال کا مشہور پہاڑ۔ [2] عالم بالا

وَيَتلوكتابَهُ فيقرأُ أعلىٰ حَالٍ من يرى الله فانّه ان لم يره فانّ الله تعالىٰ يراه ۔ (الاذکار للنووی ؒ)

(ترجمہ) یہ فصل ان مسائل و آداب میں ہے جنکی طرف قاری کو اعتناء اور اہتمام کرنا چاہئے اور یہ بہت زیادہ ہیں ان کے بعض کو ہم ذکر کرتے ہیں۔ پس اول شئ جس کا قاریٔ قرآن مامور ہے وہ قرارت میں اخلاص ہے اور یہ کہ اس سے (خالص) اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری شئ کے حاصل کرنیکا قصد نہ کرے۔ اور یہ کہ قرآن پاک کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ کرے اور (قرارت قرآن کے وقت) اس بات کا اپنے ذہن میں استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کتاب کی تلاوت کر رہا ہوں۔ پس قرارت کے وقت ایسا حال پیدا کرے جس سے یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ جب یہ حال نہ پیدا ہو تو یہ تو ہو سکتا ہے (کہ سمجھے) کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔

امام غزالیؒ کا کلام بہت ہی خوب تھا مگر علامہ نوویؒ کا مضمون بھی کچھ کم نہیں۔ امام نوویؒ نے یہ فرمایا کہ تلاوتِ قرآن سے پہلے جس کا تالی مامور ہے وہ قرارت میں اخلاص ہے اور اخلاص یہ ہے کہ قرارت سے اللہ تعالیٰ مقصود ہوں اور اس کے سوا کسی دوسری شئ یعنی اغراض دنیویہ کا قصد نہ کرے اور قرآن کے ساتھ مؤدب ہو اور ذہن میں یہ حاضر کرے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہے اور اس کے کتاب کی تلاوت کر رہا ہے پس حال اس کا یہ ہو کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو وہ نہیں دیکھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ تو اسکو دیکھ رہے ہیں۔ یہ احسان کہلاتا ہے۔ صلوٰۃ کے ساتھ احسان کو مختص سمجھا جاتا ہے مگر قرآن شریف کی تلاوت میں بھی امام نے اسکو خوب چسپاں کیا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

تقریبِ فہم کیلئے یہ بات بیان کرتا ہوں کہ حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے تھے کہ مجلس میں بعض لوگ اسطرح بیٹھتے ہیں کہ انکو دنیا و ما فیہا کی خبر نہیں رہتی جب ایک مخلوق کی مجلس میں یہ حال ہو سکتا ہے تو اسی سے اندازہ کیجئے کہ جو لوگ احسان و اخلاص کے ساتھ تلاوت کرتے ہونگے انکا کیا حال ہوتا ہوگا۔

علمائے آخرت اور آداب باطنی

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور علامہ نوویؒ نے کتاب الاذکار اور التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں اس کے علاوہ اور بہت سے آداب تلاوت بیان فرمائے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان سب کو مستقل طور پر بیان کرونگا۔

اس اتنے بیان سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہو گا کہ علمائے امت کو اعمال میں اخلاص وصدق کا کس قدر اہتمام تھا کہ جس طرح احکام ظاہری کو مفصل بیان فرمایا ہے ویسے ہی آداب باطنی کو بھی تحریر فرمایا ہے تاکہ امت محض ظاہری آداب پر اکتفاء نہ کرے اور صرف رسوم ہی تک نہ رہ جائے بلکہ حقیقت اور روح تک پہنچے۔ علمائے آخرت نے ان آداب و مسائل کو بیان کرنے میں بڑی کاوش وجانفشانی کی ہے۔ جس طرح فقہاء نے کتاب وسنت سے احکام و مسائل کو مستنبط فرما کر کتب میں مدون فرمایا۔ اور امت پر احسان عظیم فرمایا ورنہ ہم لوگوں کو براہ راست کتاب وسنت سے مسائل معلوم کرنا بڑا ہی دشوار ہوتا، اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے ان حضرات نے اس امر کو انجام دیا۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

اسی طرح علمائے باطن نے ہر عمل کے آداب باطنی کو بیان فرمایا۔ اور خوب خوب بیان فرمایا چنانچہ امام غزالیؒ نے نماز، روزہ کے آداب باطنی بیان فرمائے حج کے آداب باطنی بیان فرمائے اسی طرح تلاوت و دعا کے آداب باطنی بیان فرمائے ہیں اور اسی کا ثمرہ تھا کہ لوگ حقائق سے آشنا تھے۔ آداب باطنی کے عارف تھے۔ اب چونکہ یہ آداب بیان نہیں کئے جاتے اس لئے عام طور پر لوگ جاہل ہو گئے ہیں جانتے ہی نہیں کہ ان ظاہری آداب کے علاوہ قلب سے متعلق بھی آداب ہیں اسی بناء پر اگر کوئی مصلح اس کیطرف توجہ دلاتا ہے تو مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ رسوم سے نکال کر حقیقت تک پہنچانا چاہتا ہے۔ چونکہ عوام نے رسوم ہی کو دین سمجھ لیا ہے اس لئے انکو ناگوار ہوتا ہے

تو ناگوار ہوا کرے اس کیوجہ سے کوئی محقق و مصلح اپنا کام ترک نہ کردیگا۔ ایسے لوگوں کی تائید اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہوتی ہے۔ ایسوں سے جس نے بھی مقابلہ کیا مغلوب ہی ہوا ہے۔ اور اگر ایسے حضرات کو یہ مفسد ختم کرنا چاہیں تو ہرگز قادر نہیں ہوسکتے۔ ہمیشہ ہمیش اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے دین کی خدمت کرتے رہیں گے اور ہر زمانہ میں ناصحین کی ایک جماعت باقی رہے گی جیسا الابداع میں ہے کہ:

عن الحسن انہ قال لن یزال للہ نصحاء فی الارض من عبادہ یعرضون اعمال العباد علی کتاب اللہ فاذا وافقوہ حمدوا اللہ واذا خالفوہ عرفوا بکتاب اللہ ضلالۃ من ضل وھدی من اھتدیٰ فاولئک خلفاء اللہ

(الابداع فی مضار الابتداع ص۲۳)

(ترجمہ) یعنی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیشہ بندگان خدا میں سے زمین میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو کہ نصیحت کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش کرتے رہیں گے جب کتاب اللہ سے ان کے اعمال کو موافق پائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے اور جب مخالف پائیں گے تو کتاب اللہ کے ذریعہ گمراہوں کی ضلالت کو اور ہدایت پانے والوں کی ہدایت کو پہچان لیں گے۔ یہی لوگ اللہ کے خلفاء ہوں گے۔

اور بخاری شریف میں یہ حدیث وارد ہے کہ:

لایزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لایضرھم من خذلھم ولا من عاداھم۔

(ترجمہ) میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی جن کی (منجانب اللہ) نصرت ہوگی، جو لوگ انکی نصرت کو ترک کردیں گے اور ان سے عداوت کریں گے انکو مضر ثابت نہ ہوگی۔

اب سنئے امام غزالیؒ نے نماز کے ہر ہر رکن کے آداب بیان فرمائے ہیں ان میں کے بعض کو نقل کرتا ہوں، فرماتے ہیں کہ:

جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو اللہ کی عظمت و جلالت کو اپنے دل میں لاؤ اور

سوچو کہ کس ذات جلیل الشان سے مناجات کر رہے ہو اور یہ دیکھو کہ کس کیفیت میں مناجات کر رہے ہو اور اپنے پروردگار سے کیا چیز طلب کر رہے ہو۔

اس وقت چاہیئے کہ تمہاری پیشانی پر شرمندگی سے پسینہ آجائے اور تمہارے فرائص[عہ] ہیبت کیوجہ سے کانپنے لگیں، اور تمہارا چہرہ شدتِ خوف کیوجہ سے زرد پڑجائے اور جب اللہ اکبر کہو تو اس طرح زبان سے کہو کہ قلب اس کی تکذیب نہ کرے یعنی جس طرح زبان سے اللہ تعالیٰ کو بڑا کہہ رہے ہو دل میں بھی یہ حال ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شئی سے بڑا سمجھ رہے ہو اور اگر تمہارے دل میں کوئی شئی اللہ تعالیٰ سے اکبر ہے تو اللہ تعالیٰ شہادت دیتے ہیں کہ تم کاذب ہو۔ اگرچہ یہ کلام یعنی اللہ اکبر صادق ہے جیسا کہ منافقین کے اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (یعنی بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں) کہنے میں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کاذب ہونیکی شہادت دی ہے۔ (اس لئے کہ یہ قول اگرچہ صحیح ہے مگر اس کے مطابق اعتقاد نہیں رکھتے تھے، قلب میں رسول اللہ ہونیکا انکار و جحود کرتے تھے اسلئے انکو کاذب فرمایا گیا۔)

اسی طرح جب اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کہو تو یہ سمجھو کہ وہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور اس گھات میں لگا ہے کہ تمہارا دل اللہ تعالیٰ کیطرف سے پھیر دے، اور یہ اس لئے کرتا ہے کہ جب تم کو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات و سرگوشی کر رہے ہو اور اس کے حضور میں سجدہ کر رہے ہو تو اسکو حسد ہوتا ہے کہ میں اسی ایک سجدہ کے نہ کرنے اور توفیق نہ ملنے کیوجہ سے ملعون و مردود ہوگیا (اور سنو) تمہارا استعاذہ[لہ] اس طور پر ہونا چاہیئے کہ شیطان کے مالوفات[ٹہ] و محبوبات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو اختیار کرو۔ ورنہ تو محض زبان سے شیطان سے پناہ مانگنا (اور اس کے مرضی کے مطابق عمل کرنا) ایسا ہی ہے کہ کسی کے پیچھے درندہ ہو جو اس کو چیر پھاڑ کر ہلاک کردینا چاہتا ہو اور وہ شخص زبان سے

عہ فریصہ۔ پستان اور مونڈھے کے درمیان کا گوشت جو خوف کے وقت اچھلنے لگتا ہے ۱۲ (مصباح
لہ اعوذ باللہ پڑھنا۔ ٹہ مرغوب اور پسندیدہ چیزیں۔ ۱۲

یہ کہے کہ میں تجھ سے بھاگ کر فلاں مضبوط قلعہ میں پناہ لینا چاہتا ہوں اور خود اسی جگہ پر کھڑا رہے تو محض یہ قول اس کو ہرگز نفع نہ دیگا جب تک کہ اپنی جگہ سے علیحدہ ہو کر قلعہ میں داخل نہ ہو جائے۔ اسی طرح جو شخص اپنی شہوات کا جو اللہ تعالے کی مرضی کے خلاف ہیں اور شیطان کو پسندیدہ ہیں اتباع کرتا ہے تو محض اس کا قول (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) کچھ نفع نہ دے گا۔ پس چاہیئے کہ اس کے کہنے کے وقت یہ عزم ہو کہ شیطان کے شر سے نکل کر اللہ کے حصن و قلعہ میں پناہ لوں گا اور سنو اللہ تعالیٰ کا حصن کلمہ طیبہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اسلئے کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِی فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِیْ اٰمِنَ مِنْ عَذَابِیْ۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ میرا حصن ہے جو شخص میرے حصن میں داخل ہو جائیگا وہ میرے عذاب سے مامون ہو جائیگا۔ اور اس کلمہ کو حصن بنانے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا معبود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہ ہو اور جس نے اپنی خواہش ہی کو معبود بنا لیا تو وہ شیطان کے میدان میں ہے، نہ کہ اللہ تعالے کے قلعہ میں۔

اسی طرح رکوع و سجود و قرارت سب کے آداب بیان فرمائے ہیں اگر آپ چاہیں تو احیاء العلوم کا مطالعہ کریں۔ اسی ضمن میں امام ؒ نے قرارت کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسم بیان فرمائی ہے۔ وھوھٰذا

فاما القراءۃ فالناس فیھا ثلٰثۃ رجل یتحرک لسانہ وقلبہٗ غافلٌ۔ ورجلٌ یتحرک لسانہ وقلبہ یتبع اللسان فیفھم ویسمع منہ کانہ یسمعہ من غیرہ وھو درجۃ اصحاب الیمین ورجل یسبق قلبہ الی المعانی اولاً ثم یخدم اللسان القلب فیترجمہٗ ففرق بین ان یکون اللسان ترجمان القلب او یکون معلم القلب والمقربون لسانھم ترجمان یتبع القلب ولا یتبعہ القلب۔

(ترجمہ):— بہر حال قرارت تو اس میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جس کی

زبان تو چل رہی ہے مگر قلب غافل ہے۔ اور ایکؔ وہ ہے کہ اس کی لسان حرکت کرتی ہے اور قلب اس کی اتباع کرتا ہے۔ پس قلب سمجھتا ہے اور اس طرح سنتا ہے جیسے کسی دوسرے سے سنتا ہو اور یہ اصحاب الیمین کا درجہ ہے۔ اور ایکؔ وہ شخص ہے کہ اس کا قلب معانی کیطرف سبقت کرتا ہے پھر زبان قلب کی خادم بنکر قلب کی ترجمانی کرتی ہے تو اس میں کہ لسان قلب کی ترجمان ہو۔ اور یہ کہ لسان قلب کی معلم ہو بہت ہی عظیم فرق ہے۔ اور مقربین کی زبان ان کے قلب کی ترجمان اور اس کے تابع ہوتی ہے۔ ایسا نہیں کہ ان کا قلب لسان کے تابع ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کو جو درجات عالیہ ملتے ہیں وہ اسی قرارت سے ملتے ہیں۔ جس کی جس درجہ کی قرارت ہوتی ہے اسی کے موافق اس کا درجہ عند اللہ ہوتا ہے اور اسی درجہ کا قرب اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ مجدد الف ثانیؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فَمَرَاتِبُ الْقُرْبِ اِلَی اللّٰہِ مَنُوْطٌ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ۔ یعنی قرب کے مراتب کا مدار تلاوتِ قرآن پر ہے۔ دیکھئے پہلے قسم کے لوگ جو محض لسان سے قرارت کرتے ہیں دل غافل ہوتا ہے انکی قرارت لَا یُعْبَأُ بِہٖ (یعنی ناقابل اعتبار) کے درجہ میں ہے۔ اس سے ان کو کوئی درجہ نہ ملا۔ بلکہ مومن کی شان سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ ایسی قرارت کرے جس کا دل پر کوئی اثر نہ ہو۔ اور دوسرے قسم کے لوگ جو کہ زبان سے قرارت کرتے ہیں اور دل بھی حاضر رہتا ہے انکو لسانِ شرع میں اصحابُ الیمین کہا گیا۔ اور اس درجہ سے بڑا درجہ مقربین کا ہے وہ درجہ اسوقت ملتا ہے کہ پہلے قلب معانی کے سمجھنے کیطرف سبقت کرتا ہے پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ زبان قرارت کرنے لگتی ہے اور قلب کی ترجمانی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی قرارت کی توفیق عطا فرمادیں اور زمرۂ مقربین میں داخل فرمادیں۔

ابتدائے کلام میں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ آگے احادیث و آثار پیش کرینگے تو اگرچہ ضمناً بہت سی روایتیں آگئیں تاہم احیاء العلوم اور مشکوٰۃ اور تبیان سے بھی مزید روایات نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن پاک اور حاملین قرآن کی مزید فضیلت معلوم ہو جائے۔ نیز ایسی روایات بھی نقل کی جائیں گی جن میں (تلاوت میں) تقصیر کرنیوالوں کی مذمت وارد ہے۔

قرآن اور حاملینِ قرآن ارشاداتِ نبویہ کی روشنی میں

(۱) قال صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن ثم رأی ان احدًا اوتی افضل مما اوتی فقد استصغر ما عظمہ اللہ تعالیٰ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن کو پڑھا پھر بھی اس نے کسی کے متعلق یہ سمجھا کہ اس سے افضل چیز دیا گیا ہے تو اس نے چھوٹا سمجھا ایسی شئ کو جس کو اللہ تعالیٰ نے معظم بنایا ہے۔

(ف) اس سے کس قدر عظمت قرآن پاک کی معلوم ہوئی۔ مگر کس قدر دناءت[1] وخساست ان لوگوں کی ہے کہ قرآن پاکر بھی دنیا کی حقیر اشیاء کو افضل سمجھتے ہیں اور اس کی تحصیل میں نہ قرآن کی پرواکرتے ہیں اور نہ اس کے احکام کی۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کے فیوض وبرکات سے کچھ حصہ ملا نہیں ہے اور ذرا بھی معرفت حاصل نہیں ہوئی ہے چونکہ ابتداء ہی سے نیت فاسد ہوتی ہے اور اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہی نہیں۔ اسی لئے ان لوگوں کی بھی نہ کوئی عزت ہے اور نہ قدر ومنزلت۔

(۲) وقال صلی اللہ علیہ وسلم ما من شفیع افضل منزلۃ عند اللہ تعالیٰ من القرآن لانبی ولا ملك ولا غیرہ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن سے افضل از روئے مرتبہ کے کوئی دوسرا شفیع نہیں ہے نہ نبی نہ فرشتہ اور نہ کوئی ان کے علاوہ۔

(ف) اس حدیث شریف سے بھی قرآن پاک کی انتہائی عظمت وجلالت معلوم ہوئی کہ سب سے بڑا شفیع قرآن پاک ہے اور یہ اسلئے کہ کلام صفت ہے اللہ تعالیٰ کی لہٰذا اسکی شفاعت درحقیقت ارحم الراحمین ہی کی شفاعت ہے اسلئے سب سے بڑھ کر اسی کا مرتبہ ہوگا۔

(۳) وقال صلی اللہ علیہ وسلم افضل عبادۃ امتی تلاوۃ القرآن (الجامع الصغیر للسیوطی عن نعمان بن بشیرؓ)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی سب سے افضل عبادت قرآن پاک کی تلاوت ہے۔

---

[1] کمینہ پن ورذالت

(ف) اور رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (یعنی سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے) تو وہ تلاوت کلام اللہ کے علاوہ دوسرے اذکار کے اعتبار سے ہے۔ پس کلام اللہ کے تلاوت کی فضیلت حقیقی ہے اور کلمہ طیبہ کی اضافی۔

چنانچہ علامہ نووی التبیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(اعلم ان مذهب الصحیح المختار الذی علیه من یعتمد من العلماء ان قراءة القرآن افضل من التسبیح والتهلیل وغیرهما من الاذکار، فقد تظاهرت الادلة علىٰ ذلك واللّٰه اعلم۔

(ترجمہ) جان لو کہ مذہب صحیح اور مختار جس پر معتمد علماء ہیں یہ ہے کہ قراءتِ قرآن تسبیح، تہلیل اور اسکے علاوہ جملہ اذکار سے افضل ہے اور اس پر دلائل بکثرت وارد ہیں جو ایک دوسرے کو قوت پہونچا رہے ہیں۔ واللہ اعلم

(۴) وقال صلى اللّٰه علیه وسلم ایضاً ان اللّٰه عزوجل قرأ طٰه ویٰسین قبل ان یخلق الخلق بالف عام فلما سمعت الملئکة القرآن قالت طوبیٰ لامة ینزل علیهم هذا وطوبیٰ لاجواف یحمل هذا وطوبیٰ لالسنة تنطق بهذا۔

(مشکوٰۃ - فضائل القرآن عن ابی ہریرۃ۔ وقال رواہ الدارمی)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے ایک ہزار سال پہلے (سورہ) طٰہٰ ویٰسین کی قراءت فرمائی۔ جب فرشتوں نے قرآن سنا تو کہا کہ مبارکباد ہو اس امت کے لئے جس پر یہ کلام نازل ہوگا اور خوشخبری ہے ان اجواف (اور سینوں) کیلئے جو اسکے حامل ہوں گے اور خوشخبری ہے ان زبانوں کے لئے جو اس کے ساتھ ناطق ہوں گی۔

(۵) وقال صلى اللّٰه علیه وسلم خیرکم من تعلم القرآن وعلمه۔

(عن عثمان۔ کتاب الصلوٰۃ - باب فی ثواب قراءۃ القرآن - ابوداؤد ص۲۰۵)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کا بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھلایا۔

(۶) عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلى اللّٰه علیه وسلم قال یقول اللّٰه سبحانه تعالیٰ من شغله القرآن وذکری عن مسئلتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین وفضل کلام اللّٰه سبحانه وتعالیٰ علىٰ سائر الکلام کفضل اللّٰه علىٰ خلقه۔ رواه الترمذی وقال حدیث حسن۔

(باب کیف کانت قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم - جلد ۲، ص ۱۱۶)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قرآن (کی قرات) اور میرے ذکر نے مجھ سے سوال و دعا کرنے سے باز رکھا تو میں سوال اور دعا کرنے والوں کو جو چیزیں عطا کرتا ہوں ان میں سب سے بہتر چیز اسے دیتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا فضل دوسرے کلاموں پر ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر فضل ہے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)

(۷) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الذی لیس فی جوفہ شیء من القرآن کالبیت الخرب۔

(مشکوٰۃ۔ فضائل القرآن بحوالہ ترمذی و دارمی)

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے قلب میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں ہے وہ مثل ویران گھر کے ہے۔

صاحب مرقات اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ویرانی اس لئے ہے کہ قلوب کی آبادی ایمان اور تلاوت قرآن کیوجہ سے ہوتی ہے اور باطن کی رونق اعتقادات حقہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرنے سے ہوتی ہے اور قلب کا ان امور سے خالی ہونا ظاہر ہے کہ ویرانی و بے رونقی ہے۔

(۸) عن معاذ ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ عایہ وسلم قال من قرأ القرآن وعمل بما فیہ البس اللہ والدیہ تاجا یوم القیامۃ ضوءہ احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا فما ظنکم بالذی عمل بھذا۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت معاذ ابن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنائیں گے کہ اس کی روشنی اس دار دنیا کے آفتاب سے بہتر ہو گی۔ (جب اس کے والدین کو ایسا تاج اور رتبہ ملیگا) تو تمہارا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے

میں جس نے قرآن پر عمل کیا (یعنی اسکو کتنا چمکدار تاج پہنایا جائے گا اور کیسا کچھ مرتبہ ملیگا)

(۹) عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرؤا القرآن فان اللہ تعالیٰ لا یعذب قلبا وعی القرآن وان ھذا القرآن مادبۃ اللہ فمن دخل فیہ فھو آمن ومن احب القرآن فلیبشر (التبیان)

(ترجمہ) عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھتے جاؤ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس قلب کو عذاب نہ دینگے جس نے قرآن کو محفوظ کرلیا (اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ) یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا خوان[۱] ہے جو شخص اس میں داخل ہوا پس وہ مامون ہے اور جس نے قرآن سے محبت کی تو چاہئے کہ بشارت حاصل کرے

(۱۰) عن عبد اللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلک عند آخر آیۃ تقرأھا۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد کیف یستحب الترتیل فی القراءۃ۔ الصلوٰۃ ص۲۰)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے درجات میں) چڑھتا جا، اور ترتیل[۲] کے ساتھ پڑھ جیسا کہ تو ترتیل کے ساتھ دنیا میں پڑھتا تھا۔ اس لئے کہ تمہارا مقام وہیں ہے جہاں آخری آیت پڑھ کر فارغ ہوگے۔

قال صاحب المرقاۃ (یقال لصاحب القرآن) ای من یلازمہ بالتلاوۃ والعمل لامن یقرأ وھو یلعنہ۔

(مرقات ص ۵۸۹ ج ۲)

صاحب مرقاۃ نے فرمایا کہ صاحب قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو اسکی تلاوت برابر کرتا ہو اور اس پر عامل ہو، نہ وہ شخص جو قرآن کو اس طور پر پڑھتا ہو کہ خود قرآن اس پر لعنت کرتا ہو۔

---

[۱] دسترخوان۔ [۲] قرآن کے حروف کو مخارج سے ادا کرکے پڑھنا۔ ۱۲

(۱۱) قال صلے اللہ علیہ وسلم اهل القرآن اهل اللہ وخاصتہ۔

(الجامع الصغیر)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اہل قرآن اہل اللہ ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے خواص ہیں۔

اک عام بداعتقادی اور اس کا ازالہ

دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ ارشاد فرمایا کہ اہل قرآن اللہ والے اور ان کے خواص ہیں مگر آپ اپنے اعتقاد کا جائزہ لیجئے۔ کیا آپ کا بھی یہی اعتقاد ہے؟ عام طور پر تو ولایت اور بزرگی کا ایک خاص نقشہ اذہان میں راسخ ہوگیا ہے اور ایک خاص قسم کے لوگوں کے ساتھ اسکو مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ علماء واہل قرآن سے تو ولایت وبزرگی کا دور کا بھی واسطہ نہیں سمجھا جاتا۔ علامہ نوویؒ نے "التبیان" میں یہ روایت نقل کی ہے کہ

عن الامامین الجلیلین ابی حنیفة والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال ان لم یکن العلماء اولیاء فلیس للہ ولیٌّ۔ (التبیان)

(ترجمہ) حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اگر علماء (عاملین) ہی اولیاء اللہ نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔

قرآن کی شفاعت

(۱۲) عن ابی هریرة رضی اللہ تعالےٰ عنه عن النبی صلے اللہ علیه وسلم قال یجیئ صاحب القرآن یوم القیامة فیقول القرآن یارب حلّه فیلبس تاج الکرامة۔ ثم یقول یارب زده فیلبس حلة الکرامة۔ ثم یقول یارب ارض عنه فیرضی عنه فیقال له اقرأ وارقأ ویزاد بکل اٰیة حسنة هذا حدیثٌ صحیحٌ ۔ (ترمذی ص۱۱۵ ج۲)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا پڑھنے والا قیامت کے روز آئیگا تو قرآن یوں کہے گا کہ اے پروردگار اس کو جوڑا پہنا دیجئے۔ پس اس کو عزت کا تاج پہنا دیا جائے گا، پھر کہے گا اے پروردگار اور زیادہ پہنا دیجئے۔ پس اس کو عزت کا جوڑا پہنا دیا جائیگا۔ پھر کہے گا اے پروردگار اس سے خوش ہو جائیے پس اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے۔ پھر اس سے کہا جائیگا کہ قرآن پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلے ایک ایک نیکی بڑھتی جائے گی۔

(ف) :۔ اس حدیث شریف سے قرآن کی کتنی زبردست شفاعت اپنے قرات کرنے والے کی معلوم ہوتی ہے۔ (اللھم ارزقنا شفاعتہ یوم القیامۃ)

(۱۳) وقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم للہ اشد اذنا الی الرجل الحسن الصوت بالقرآن یجھر بہ من صاحب القینۃ الی قینتہ (ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ البتہ اللہ تعالیٰ اس خوش الحان شخص کیطرف جو بلند آواز سے قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہو اس سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں اور کان لگاتے ہیں جتنا کہ کوئی شخص اپنی گانے والی باندی کیطرف کان لگاتا ہے۔

(ف) :۔ ہر متکلم کو اپنے کلام کیطرف دوسروں کی رغبت و توجہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جہاد اکبر لوگوں کو سنا رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں تو اس سے بہت خوش ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی تلاوت اور اس کی رغبت کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔

جملہ امراضِ قلبی و جسمانی کی شفاء

(۱۴) قال صلے اللہ علیہ وسلم الفرآن ھو الدواء۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن دوا ہے۔

(الجامع الصغیر)

فیض القدیر جو الجامع الصغیر کی نہایت عمدہ اور معتبر شرح ہے اس سے اس حدیث
کی بقدر ضرورت شرح لکھتا ہوں۔

(القرآن ھو الدواء) ای من الامراض الروحانیۃ کالاعتقادات
الفاسدۃ فی الالٰھیات والنبوۃ والمعاد وکالاخلاق المذمومۃ وفیہ
اوضح بیان لانواعھا وحث علی اجتنابھا۔

ومن الامراض الجسمانیہ بالتبرک بقراءتہ علیھا لکن مع الاخلاص
وفراغ القلب من الاغیار واقبالہ علی اللہ بکلیتہ وعدم تناول الحرام و
عدم الآثام واستیلاء الغفلۃ علی القلب فقراءۃ من ھذا حالہ مبرئ
للامراض وان اعیت الاطباء ولھذا قال بعض الائمۃ متی تخلف الشفاء
فھو اما لضعف تاثیر الفاعل او لعدم قبول المحل المنفعل۔ او لمانع قوی
یمنع تخلفہ ان ینجع فیہ الدواء کما تکون فی الادویۃ الحسیۃ شِفَاءٌ
لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ) قال الاکثر من
جنسیۃ لا تبعیضیۃ فالقرآن ھو الشفاء التام من جمیع الادواء القلبیۃ و
البدنیۃ لکن لا یحسن التداوی بہ الا الموفقون وللہ حکمۃ بالغۃ فی
اخفاء سر التداوی بہ عن نفوس اکثر العالمین کما لہ حکمۃ بالغۃ فی
اخفاء کنوز الارض عنھم۔ (فیض القدیر ص ۵۳۶ ج ۴)

(ترجمہ) (قرآن دوا ہے) امراض روحانیہ کے لئے مثلاً الٰہیات[ع۱] و نبوت اور
معاد[ع۲] کے بارے میں فاسد اعتقادات اور جیسے اخلاق مذمومہ اور اس قرآن میں امراض
روحانیہ کے تمام اقسام کا واضح بیان ہے۔ اور اس سے بچنے کی ترغیب اور تحضیض ہے۔

اسی طرح سے یہ قرآن امراض جسمانیہ (کی بھی دوا ہے) بایں طور کہ اس کو پڑھ کر کے
ان امراض پر دم کر دیا جائے اور اس سے برکت حاصل کی جاوے لیکن شرط یہ ہے کہ
اخلاص سے ہو اور اغیار سے دل خالی کر کے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف پورے طور پر توجہ

ع۱ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات۔ ع۲ عالم آخرت۔ ۲

کے ساتھ ہو۔ حرام کا تناول اور معاصی میں ابتلاء، اور قلب پر غفلت کا غلبہ نہ ہو۔ جس شخص کا یہ حال ہوگا اس کی قرارت جملہ امراض سے شفا بخشنے والی ہے اگرچہ ان امراض کے علاج سے اطبار، عاجز ہو چکے ہوں۔ اسی لئے بعض اماموں نے فرمایا ہے کہ جب کبھی شفا نہ ہو تو اس کی وجہ یا تو یہ ہو گی کہ فاعل کی تاثیر میں ضعف ہے یا خود تاثیر قبول کرنیوالے میں قبولیت کی صلاحیت مفقود ہے یا پھر اور کوئی بڑا مانع ہے جسکی وجہ سے دوا اثر نہیں کر رہی ہے جیسا کہ حِسّی ادویہ میں ہوا کرتا ہے۔ یہ قرآن سینوں (کے امراض) کے لئے شفار ہے۔ اور ہم اس میں ایسی ایسی آیات نازل کر رہے ہیں جو شفار ہیں۔" اکثر علمار کہتے ہیں کہ اس آیت میں مِنْ کا لفظ تبعیضیہ نہیں ہے (یعنی یہ بعضیت کے معنیٰ نہیں دیتا) بلکہ جنس کے معنیٰ میں ہے (پس مطلب یہ ہو گا کہ) قرآن تمام امراض قلبیہ وجسمانیہ کیلئے کامل شفار ہے، مگر قرآن سے علاج کرنا انھیں لوگوں کو راس آتا ہے جو موفق[1] ہیں، اکثر اہلِ دنیا سے اس قرآن کے ذریعہ علاج کے راز کو مخفی کر دینے میں اللہ تعالیٰ کی بہت زبردست حکمت ہے جیسا کہ زمین کے خزانوں کو ان سے مخفی رکھنے میں حکمت بالغہ وکاملہ ہے۔

سبحان اللہ کیا خوب حدیث شریف ہے اور علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے کیسی عمدہ شرح فرمائی کہ قرآن پاک کی تلاوت جملہ امراضِ قلبیہ وجسمانیہ کے لئے شفار ہے مگر جب کہ اخلاص سے ہو، اغیار سے دل خالی ہو، اللہ تعالیٰ کیطرف پوری توجہ ہو۔ اگر آج اس طرح تلاوت کرنیکا اہتمام کیا جاوے تو دیکھئے کامیابی ہوتی ہے یا نہیں؟ احادیث میں جو وعدے ہیں وہ سب درست ہیں قصور ہمارا ہی ہے۔ ہمارے ہی اعتقاد واخلاص میں بہت کمی ہو گئی ہے اسلئے کچھ ملتا نہیں۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَادِ[2]۔

ماہرِ قرآن کی تعریف

(۱۵) عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

لہ توفیقِ الٰہی سے سرفراز شخص۔ ۲ہ بداعتقادی سے خدا کی پناہ۔ ۱۲

الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذی یقرأ القرآن ویتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہٗ اجران۔ (مشکوٰۃ فضائل القرآن بحوالہ بخاری ومسلم)

(ترجمہ ملاحظہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن میں ماہر ہے وہ رسل و ملائکہ کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کو پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے تو اسکے لئے دوہرا اجر ہے۔

دیکھئے اس حدیث سے قرات قرآن کی کیسی فضیلت ثابت ہوئی کہ جو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کو اس طرح پڑھنا دشوار معلوم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ ایک اجر کے بجائے دُو اجر عطا فرماتے ہیں اور جو تجوید کے ساتھ پڑھتا ہے اور اس کے علوم کا عالم ہے اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے وہ تو انبیاء مرسلین و ملائکہ مقربین کی سلک[1] میں منسلک ہوگا۔ اور ان حضرات کے زمرہ میں محشور[2] ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرات انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے احکام الٰہیہ اور آیات قرآنیہ کو مومنین تک پہونچایا اسی طرح ماہر بالقرآن بھی کرتا ہے کہ اس میں مہارت حاصل کرکے اور اس کی تلاوت کرکے دوسروں کو بھی مستفید کرتا ہے۔

ماہر بالقرآن کے متعلق علامہ طیبی وغیرہ سے صاحب مرقات نے بہت عمدہ کلام نقل فرمایا ہے، اسکو بعینہٖ درج کرتا ہوں۔

وقال الطیبی وھو الکامل الحفظ الذی لا یتوقف فی القراءۃ ولا یشق علیہ قال الجعبری فی وصف ائمۃ القراءۃ کل من اتقن حفظ القرآن وادمن درسہ واحکم تجوید الفاظہ وعلم مبادیہ ومقاطعہ وضبط روایۃ قراءتہ وفھم وجوہ اعرابہ ولغاتہ ووقف علی حقیقۃ اشتقاقہ وتصریفہ وناسخہ فی ناسخہ ومنسوخہ واخذ حظا وافرا

---

[1] جماعت۔ [2] قیامت میں اٹھایا جائے گا۔

من تفسیرہ وتاویلہ وصان نقلہ عن الرای وتجافی عن مقائس العربیۃ ووسعۃ السنۃ وجللہ الوقار وغمرہ الحیاء وکان عدلاً متیقظاً ورعاً معرضاً عن الدنیا مقبلاً الی الاٰخرۃ قریباً من اللہ فھو الامام الذی یرجع الیہ ویعول علیہ ویقتدی باقوالہ ویھتدی بافعالہ۔

(مرقات ص۵۸۶ ج۲)

(ترجمہ :) :- علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ ماہر اسکو کہتے ہیں جو حفظ میں کامل ہو اور قرارت میں رکتا اور اٹکتا نہ ہو اور نہ یہ اس پر دشوار ہو (یعنی بے تکلف قرارت کرتا ہو) علامہ جعبری ائمہ قرارت کے وصف میں فرماتے ہیں کہ ماہر وہ شخص ہے جس نے حفظ کو نہایت مستحکم کرلیا اور اس کی تلاوت پر مداوم[1] ہو اس کے الفاظ کی تجوید کو خوب درست کئے ہوئے ہو۔ اس کے مبادی و مقاطع کا علم رکھتا ہو (یعنی کہاں سے ابتدا ہو اور کہاں وقف کیا جائے ان سب کو بخوبی جانتا ہو) اس کے قرارت کی روایت سے واقف ہو وجوہ اعراب اور اختلاف لغات کو خوب سمجھتا ہو، حقیقتِ اشتقاق اور کلمات کی تصریفات[2] کو جانتا ہو، اور اس کے ناسخ و منسوخ کا بھی خوب علم ہو، نیز آیات قرآنیہ کی تفسیر اور تاویل سے اس کو حظِ وافر حاصل ہو، اس کی نقل رائے سے محفوظ ہو، عربیت کے قیاسات سے بعید ہو اور سنت اس کا احاطہ کئے ہوئے ہو اور حیا کی چادر اور وقار کا جھول اس پر پڑا ہو، عادل ہو، متیقظ و بیدار مغز ہو اور پرہیزگار ہو، دنیا سے اعراض کرنے والا ہو، اور آخرت کی جانب توجہ کرنے والا ہو۔ پس (جو ان صفات سے متصف ہو) وہ ایسا امام ہے کہ اس کیطرف رجوع اور اس پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ایسے ہی شخص کے اقوال کی اقتدار اور اس کے افعال سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

باعتبار تلاوت انسانوں کے چار درجات اور انکی تشبیہ

(۱۶) عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المؤمن

---

[1] پابندی کرنیوالا۔ [2] یعنی عربی زبان کے نحوی صرفی قواعد سے بخوبی واقف ہو۔ ۱۲

الذی یقرأ القرآن مثل الاترجۃ ریحھا طیبٌ وطعمھا طیبٌ۔ ومثل المؤمن الذی لایقرأ القرآن مثل التمرۃ لاریح لھا وطعمھا حلوٌ۔ ومثل المنافق الذی لایقرأ القرآن کمثل الحنظلۃ لیس لھا ریحٌ وطعمھا مُرٌّ۔ ومثل المنافق الذی یقرأ القرآن مثل الریحانۃ ریحھا طیبٌ وطعمھا مُرٌّ۔ (متفق علیہ)

وفی روایۃ المومن الذی یقرأ القرآن ویعمل بہ کالاترجۃ و المؤمن الذی لایقرأ القرآن ویعمل بہ کالتمرۃ (مشکوٰۃ)

(ترجمہ) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس مومن کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے مانند نارنگی کے ہے جسکی خوشبو بھی اچھی اور مزہ بھی عمدہ ہے۔ اور اس مومن کی مثال جو قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتا تمرہ (چھوہارے) جیسی ہے کہ خوشبو اس میں مطلقاً نہیں مگر مزہ شیریں ہے۔ اور مثال اس منافق کی جو قرآن نہیں پڑھتا مانند حنظل یعنی اندرائن کے ہے کہ اس میں خوشبو بھی نہیں ہوتی اور اس کا مزہ بھی تلخ ہوتا ہے۔ اور مثال اس منافق کی جو قرآن پڑھتا ہے مانند ریحانہ یعنی تلسی کے ہے کہ اس کی خوشبو اگرچہ اچھی ہوتی ہے مگر مزہ نہایت کڑوا ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ مومن جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے اسکی مثال نارنگی جیسی ہے۔ اور جو مومن قرارت نہیں کرتا مگر اس کے اوپر عمل کرتا ہے تو اس کی مثال تمرہ کی سی ہے۔

قاریِ قرآن کی نارنگی سے وجہِ تشبیہ

صاحب مرقاۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ اترج، واترجہ ترنج، وترنجہ۔ مشہور پھل ہے (یعنی نارنگی) اور پھلوں میں عرب کے نزدیک یہ سب سے عمدہ پھل ہے اس لئے کہ اس کا ظاہری رنگ بھی نہایت خوشنما

یعنی تیز زرد (تسر الناظرین) دیکھنے والوں کو سرور بخشتا ہے (اور یہ جو فرمایا کہ خوشبو بھی نہایت عمدہ اور مزہ بھی نہایت لطیف) تو ابن ملک کہتے ہیں کہ نارنگی کی خوبی اور عمدگی یہ ہے کہ منہ کو خوشبودار کردیتی ہے، معدہ میں صفائی پیدا کرتی ہے اور قوتِ ہاضمہ بڑھاتی ہے۔ ان فوائد کے علاوہ بھی بہت سے فوائد ہیں جو کتبِ طب میں مذکور ہیں۔

حدیث شریف کی شرح فرمانے کے بعد صاحبِ مرقاۃ تحریر فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جس مکان میں نارنگی ہوتی ہے وہاں جن کا گذر نہیں ہوتا۔ تو اس سے قاریٔ قرآن کو نارنگی سے تشبیہ دینے کی حکمت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی جس طرح گھر میں نارنگی کے رہنے سے جن اس گھر میں نہیں ٹھہر سکتے اسی طرح جو قراءتِ قرآن کرتا ہے اس کے قریب بھی جن وغیرہ نہیں جا سکتے اور جس گھر میں قراءتِ قرآن ہوتی ہے اس میں بھی جنوں کا داخلہ نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ گھر اس کے اہل پر وسیع ہو جاتا ہے اور خیر و برکت زیادہ ہو جاتی ہے۔ ملائکہ اس گھر میں داخل ہو جاتے ہیں اور شیاطین نکل جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے پھلوں سے جو تشبیہ دی ہے وہ نہایت ہی بلیغ ہے ایسی کہ اس سے بہتر تشبیہ نہیں ہو سکتی اور نبی کے علاوہ کوئی ایسی تشبیہ و تمثیل پر قادر ہی نہیں ہو سکتا۔

اب سنئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں تلاوت کے اعتبار سے انسانوں کے چار درجے قائم فرمائے ہیں۔

پہلا درجہ تو اس مومن باعمل کا ہے جو تلاوت کلام اللہ کرتا ہے اور اسکی قراءت ظاہر سے بھی ہوتی ہے اور باطن سے بھی۔ یعنی یہ شخص لسان سے تو قراءت کرتا ہی ہے دل سے اس کے مضامین و احکام کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے کلام اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ یہی اس کی باطنی تلاوت ہے اور ایسا اس لئے ہوتا ہے

کہ مومن کے لئے جس طرح ایک زبان منہ میں ہوتی ہے اسی طرح ایک زبان اس کے قلب میں بھی ہوتی ہے۔ اور اس کی یہ ظاہری لسان اسی قلبی لسان کی ترجمان ہوتی ہے۔ بخلاف منافق کے کہ اس کا قلب زبان پر ہوتا ہے (یعنی اس کے بس زبان ہی زبان ہوتی ہے، دل گویا ہوتا ہی نہیں)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مومن قاری کی تشبیہ نارنگی سے دی ہے جس کا ظاہر بھی خوش رنگ اور خوشبودار ہوتا ہے اور باطن بھی نہایت خوش ذائقہ۔ گویا اپنے مزے اور رنگ کے اعتبار سے خود کامل ہے اور اپنی خوشبو کا فیض چونکہ دوسروں کو بھی پہونچاتا ہے اس لئے مکمِّل ہے۔

دوسرا درجہ اس مومن عامل کا ہے جو تلاوت کلام اللہ نہیں کرتا تو اس کو حدیث شریف میں تمرہ (چھوہارے) سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی مزہ تو اس کا شیریں ہے مگر خوشبو اس میں کچھ نہیں تمرہ سے مثال دینے میں اس کی مدح بھی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اس کے ایک نقص کا بھی بیان ہے اس طور پر کہ اگرچہ اس نے اپنے باطن کو قرآن کے احکام پر عمل کرکے آراستہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے اس کو عمل کی حلاوت اور لذت تو نصیب ہے مگر تلاوت نہ کرنے کی وجہ سے قرآن شریف کی خوشبو سے وہ محروم ہے اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے مومن کی تشبیہ تمرہ سے دی کہ باطن کے اعتبار سے تو طیب ہے مگر خوشبو سے جو کہ تلاوت ہی سے ملا کرتی ہے خالی ہے۔

قاریٔ قرآن میں خوشبو کا ہونا اور غیر قاری کا اس سے محروم رہنا بایں وجہ ہے کہ خوشبو تلاوت ہی کا اثر و برکت ہے اور اسی کا ثمرہ و نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو ثمرہ مخصوص کسی شئے کا ہوتا ہے وہ بدون اس شئے کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ جو برکت جس عمل کی ہوگی ظاہر ہے کہ جب وہ عمل نہ کیا جائیگا تو وہ برکت کیسے نصیب ہوگی؟

جیسے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کے جو برکات ہیں وہ ان اعمال کے کرنے

ہی سے حاصل ہوں گے۔ اسی طرح تلاوت کے بھی برکات ہیں جو تلاوت کرنے والے ہی کو نصیب ہوتے ہیں اور وہ لوگ محسوس کرتے ہیں اس باب میں انہیں حضرات کا قول معتبر ہے سب کا نہیں۔ مَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (جس نے کسی چیز کو چکھا نہیں اُسے اس کی لذت کی کیا خبر؟)

غرض جو مومن احکامِ قرآن پر تو عامل ہے مگر اس کی تلاوت کا تارک ہے تو وہ اس اعتبار سے بلاشبہ پہلے درجہ والے سے کم ہے اور اس نقص و کمی کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے درجہ والا شخص کامل تو ہے ہی مکمِّل بھی ہے۔ اور دوسرے درجہ والا کامل تو ہے مگر مکمل نہیں۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی مشک کا ڈبہ ہو مگر اس پر ڈاٹ خوب مضبوط لگی ہو، مہر بند ہو تو وہ خوشبو کی چیز سے تو لبریز ہے مگر منہ کے بند ہونیکی وجہ سے دوسروں کو اسکی خوشبو نہیں پہونچتی۔ بخلاف اس مومن عامل کے جو کہ قاری قرآن بھی ہے کہ اس کی مثال اس ڈبہ جیسی ہے جو مشک سے بھرا ہو اور منہ بھی اس کا کھلا ہوا ہو۔ جس کی وجہ سے اس کی خوشبو پھوٹتی ہو اور دوسروں تک پہونچتی ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ایسے دو شخصوں کی یہی مثال آئی ہے۔ ہم یہاں وہ حدیث اور اس کی شرح مرقاۃ سے نقل کرتے ہیں۔

قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم تعلموا القرآن فاقرأوہ فان مثل القرآن لمن تعلم فقرأ وقام بہ کمثل جراب محشو مسکا تفوح ریحہ کل مکان۔ ومثل من تعلمہ فرقد وھو فی جوفہ کمثل جراب اوکی علے مسک۔ (مشکوٰۃ۔ عن ابی ہریرۃ۔ فضائل القرآن)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن سیکھو اور اسکی تلاوت کرو، اسلئے کہ قرآن کی مثال اس شخص کے اعتبار سے جو اسکو سیکھے اور نماز میں اسکو پڑھے اور اس پر عمل کرے ایسی ہے جیسے کوئی مشکیزہ مشک سے پُر ہو جس سے اس کی خوشبو نکل نکل کر تمام جگہ کو معطر کر رہی ہو اور اس شخص کی مثال جس نے قرآن سیکھا تو ہے مگر اپنے سینہ میں لیکر اس کو سو رہا (یعنی اسکی تلاوت دن و رات کے اوقات میں نہ کی) ایسی ہے جیسے مشک سے

بھرا تھیلا ہو اور اوپر سے باندھ دیا گیا ہو (ظاہر ہے کہ اس کی خوشبو باہر کیسے پھیل سکتی ہے)۔

اس قول کی وضاحت فرماتے ہوئے علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ:

من قرأ یصل برکتہ منہ الی بیتہ والی السامعین ویحصل استراحۃ وثواب الی حیث یصل صوتہ فہو کجراب مملو من المسک اذا فتح راسہ تصل رائحتہ الی کل مکان حولہ۔ ومن تعلم القرآن ولم یقرأ لم یصل برکتہ منہ لا الی نفسہ ولا الی غیرہ فیکون کجراب مشد ودراسہ وفیہ مسک فلا یصل رائحتہ منہ الی احد۔ (مرقاۃ ص۵۹۶ ج۲)

(ترجمہ) مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کی قراءت کرتا ہے اس کی برکت قاری سے متجاوز ہو کر اس کے گھر اور سامعین کو پہونچتی ہے اور جہاں تک اس کی آواز جاتی ہے اس سے استراحت اور ثواب حاصل ہوتا ہے۔ پس وہ اس مشکیزہ کے مثل ہے جو کہ مشک سے بھرا ہوا ہو کہ جب اس کا منہ کھولا جاتا ہے تو اس کی خوشبو اردگرد تمام پہونچتی ہے اور جس نے کہ قرآن سیکھا اور قراءت نہ کی اس کی برکت نہ تو اس کے نفس کو پہونچتی ہے اور نہ ہی اس کے غیر کو۔ وہ مثل بند مشکیزے کے ہے جس میں مشک ہو کہ اس کی خوشبو سے کوئی منتفع نہیں ہو پاتا۔

دیکھئے کس قدر وضاحت کے ساتھ ان دونوں کا فرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ذہن نشین فرما دیا کہ قرآن کو مشک سے تشبیہ دی اور مومن کو اس ڈبہ اور مشکیزہ سے جو مشک سے پُر ہو اور اس کی قراءت کو مشک والے مشکیزہ کے منہ کھلنے سے تشبیہ دی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تلاوت جو کرے گا تو اسکی برکتیں خود اسکو بھی ملیں گی اور دوسرے بھی اس سے فیضیاب ہوں گے، اور اگر نہ کریگا تو خود بھی خوشبو سے محروم رہے گا اور دوسروں کو بھی محروم رکھے گا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قاری جب تلاوت کرتا ہے تو خود بھی محظوظ ہوتا ہے اور دوسرے سننے والوں کو بھی بے خود بنا دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

نغمۂ سرمدی سنا کے ہمیں ٭ مست و بیخود بنا دیا کس نے

بلاشبہ کلام اللہ نغمۂ سرمدی ہی ہے اور اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کیوجہ سے اس کا مصداق ہے کہ ؎

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ می دارد ٭ برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنیٰ را

(اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر بینوں کے جان و دل کو اپنے خوشنما رنگ سے شگفتہ و تازہ رکھتی ہے اور اہل حقیقت کے قلب و روح کو اپنی دل آویز خوشبو سے معطر رکھتی ہے)

اور جیسا کہ کسی شاعر نے اپنے ممدوح کے متعلق کہا ہے کہ ؎

کَاَنَّکُمْ شَجَرُ الْاُتْرُجِّ طَابَ مَعًا ٭ حَمْلًا وَنَوْرًا وَطَابَ الْعُوْدُ وَالْوَرَقُ

(ر س ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نارنگی کے درخت ہو جو سرتاپا اچھا ہی اچھا ہے کہ پھل بھی اس کا خوبصورت کلیاں بھی اس کی بارونق، حتیٰ کہ لکڑی اور پتے بھی اس کے نہایت ہی حسین ہوتے ہیں)

اسی طرح کلام پاک کے الفاظ، اس کے معانی و نقوش سبھی دل کے لئے جاذب اور لبھانے والے ہیں، اس کے نقوش کو دیکھنے ہی سے دل میں نور و سرور پیدا ہوتا ہے ؎

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم ٭ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

(سر سے پیر تک جہاں کہیں بھی تم کو دیکھتا ہوں کرشمۂ حسن دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہ جگہ بھی دیکھنے کی ہے)

بہرحال مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہوا کہ تلاوت کا شریعت میں ایک بڑا رتبہ ہے اور یہ مومن کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ خوب سمجھ لیجئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے حدیث کی شرح

اب میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے حدیث کی شرح ایک مصری عالم مولانا عبدالعزیز خولیؒ کی کتاب "الادب النبوی" سے نقل کرتا ہوں تاکہ مزید علم و بصیرت کا موجب ہو۔

وھو ھٰذا:

واقد مثّل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی ھٰذا الحدیث لاربعة

اصناف من النّاس لهم صلة بالقرآن و باعتباره كتابا ينتمون اليه ويومنون به ولو ايمانا ظاهرًا فاولهم شخص او فريق ملأ الايمان قلبه وفاض على جوارحه فهو بالله موقن وبرسوله مومن وبكتابه مصدّق وبدينه عاملٌ جعل لنفسه حظًّا من القرآن يتلوه آناء الليل فى تهجدٍ او مضجعه او جالسًا على فراشه او مكتبه. ويتلوه فى ساعات النهار قائمًا وقاعدًا او راكعًا وساجدًا كلما سنحت له فرصة لقراءته انتهزها حتى لا يغفل قلبه عن ذكر الله فتخطفه الشياطين وتضله عن سواء السبيل وليست قراءته من طرف لسانه وشفته وشدقه وحنجرته بل قلبه الذى يقرأ ولبه الذى يردده ولذلك اثمرت الخشية والهداية وانتجت العمل والاستقامة فهذا امثله الرسول صلى الله عليه وسلم بالاترجة ذات الطعم اللذيذ والرائحة الطيبة فان بلوته واختبرته وعاشرته وعاملته لم تجد الا امرأ وفيًا برًا تقيًا يقدس الحق تقديسًا ويشنأ الباطل مشنأً وان شممته فرائحته طيبة ذكية عبقة تحى القلوب و تنعش النفوس وتزكى العقول وكيف لا يكون كذلك وهو نفحة القرآن ومسكه الذى انبعث من لسانه الرطب المعطر وقلبه الحى المطهر۔

وثانيهم شخص او فريق بالقرآن مومن وباحكامه عاملٌ وبارشاده مهتدٍ وباخلاقه متخلق ولاكن لم يؤت القرآن تلاوةً وحفظا وان اوتيه تطبيقا وعملاً فهذا كالتمرة حلو الطعم لذيذه طيب الخلق جميله صادق النية حسن الطوية اما الرائحة فمفقودة اذ لم يتطيب بمسك القرآن وان غسل قلبه بماء السلسبيل ومثّله فى عمله الجميل۔

وثالثهم فاجر او منافق ليس له من الايمان الا اسمه ولا من الدين الا رسمه يقرأ القرآن وقد يجيد حفظه ويتقن طرقه ويعرف قراءاته وتوقيع الفاظه ونغماته ولكن لا تجاوز التلاوة حنجرته ولا تعدو ترقوته

فان بلوته تكشف لك عن قلب اسود وفؤاد مظلم وخلق مر وعمل ضر وهذا مثله الرسول صلى الله عليه وسلم بالريحانة وان شممت فيها رائحة ذكية وان ذقت فمرارة لذعة كذلك هذا يقرأ القرآن فتستريح له النفوس كما تستريح للروائح العطرة ولكن قلبه ونفسه منطويان على السوء تذوق مرارته وتحس قذارته ان عاشرته او عاملته ومثل هذا لا اثر للقرآن في نفسه لان فجوره ونفاقه ختم على قلبه فلا تؤثر فيه نصيحة ولا تنجح معه موعظة۔

ورابعهم منافق او فاجر لا صلة له بالقرآن لا علمًا ولا عملا ولا تلاوة وحفظًا وهذا اشبهه الرسول صلى الله عليه وسلم بالحنظلة لا ريح لها وطعمها مُرٌّ بشعٌ كذلك هذا يحمل نفسًا خلقت من الفجور ونبتت في النفاق ان تذوقها الناس آذت السنتهم ودنست نفوسهم ولا يشم منه خيرا اذ حرم من طيب الطيوب وعطر العطور كتاب الله جلاء العيون وشرح الصدور وحياة النفوس وطب القلوب وشنف الآذان وسراج الالباب تلك هي الاصناف الاربعة التي تعرض لها الرسول صلى الله عليه وسلم بالبيان والتمثيل فيا ترى في ايها وضعت نفسك ظني ان تكون المؤمن المخلص والقارئ المتدبر والعامل الورع۔

(الادب النبوی ص ۱۹۱)

(ترجمہ) جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان چار قسم کے لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جن کا تعلق قرآن شریف سے ہے اور جو اس کتاب کو ملتے ہیں اور اس کی وجہ سے اس کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ ظاہری طور پر سہی۔ ان میں سے پہلا وہ شخص یا جماعت ہے جس کا قلب ایمان سے لبریز ہو۔ یہاں تک کہ اس کا فیضان جوارح پر بھی ہو گیا ہو (یعنی اندر سے باہر آ گیا ہو) پس وہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کی کتاب کی تصدیق

کرتا ہے اور اس کے دین پر عامل ہے اس نے اپنے لئے قرآن شریف سے بھی ایک حصہ مقرر کرلیا ہے جس کو اپنے تہجد میں رات کی ساعات میں تلاوت کرتا ہے، یا خوابگاہ میں پڑھا کرتا ہے، گھر یا مدرسہ میں بیٹھے بیٹھے پڑھا کرتا ہے نیز اس کو دن کے اوقات میں بھی کھڑے بیٹھے اور رکوع وسجدہ کی حالت میں غرضکہ جب جب اس کو موقع ملتا ہے اس کی تلاوت کو غنیمت شمار کرتا ہے تاکہ اس کا قلب اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونے پائے کہ شیاطین اس کو اچک لیں اور سیدھی راہ سے گمراہ کردیں پھر یہ کہ اس کی یہ قرارت محض زبان کے کنارہ اور ہونٹوں اور جبڑوں اور صرف حلق ہی سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا قلب پڑھتا ہے اور اسکی عقل اس کا تکرار کرتی ہے اسلئے وہ خشیت اور ہدایت کی مثمر اور عمل اور استقامت کی منتج (نتیجہ دینے والی) ہوتی ہے۔ یہی وہ قرارت ہے جس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نارنگی سے دی ہے جوکہ مزہ میں لذیذ اور خوشبو میں نہایت نفیس ہوتی ہے۔ اگر تم اس اس شخص کو (جو ایسی تلاوت کرتا ہے) آزماؤ اور اس کے ساتھ معاشرت رکھو اور کوئی معاملہ کرو تو اسکو ایک مرد خاشعار نیک ومتقی اور حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنے والا پاؤ گے اور سونگھو گے تو نہایت عمدہ اور بہترین خوشبو والا پاؤ گے (ایسی خوشبو) جوکہ قلب کو زندہ کردے اور نفوس کو حیات بخشے اور عقلوں کو ذکی بنادے۔ اور کیوں نہ ہو یہ ہے بھی تو قرآن کریم کی خوشبو اور اس کا وہ مشک جو اس شخص کی ایسی زبان سے نکلا ہے جو تر اور معطر ہے اور اس کے ایسے قلب سے جو زندہ اور مطہر ہے۔

(دوسرا) ان میں سے وہ شخص یا فریق ہے جو قرآن شریف پر ایمان بھی رکھتا ہے اور اس کے احکام پر عامل بھی ہے اور اس کی رہنمائی سے ہدایت یافتہ بھی ہے اور اس کے اخلاق سے متخلقؔ بھی ہے لیکن نہ تو قرآن کی تلاوت اسے نصیب ہے اور نہ اس کا حفظ ہی اسکو نصیب ہے (یعنی نہ تو قرآن ہی اس کو حفظ ہے اور نہ وہ اس کی تلاوت ہی کرتا ہے) اگرچہ اس کی آیت کی تطبیق اور اس پر عمل کرنا اس کو نصیب ہے (یعنی اس کو اس امر کی توفیق حاصل ہے کہ وہ اپنے جمیع احوال کو قرآن کریم سے مطابق کئے ہوئے ہے یعنی اپنے

عہ متصف، آراستہ۔

عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق سب چیزوں کو قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق اور موافق رکھتا ہے اس طرح پر گویا اس کا پورا عامل ہے) پس یہ شخص تو مزے میں مثل تمرہ (چھوہارے) کے ہے کہ شیریں اور لذیذ ہے نہایت پاکیزہ اور عمدہ اخلاق والا صادق النیۃ اور باطن کا نہایت اچھا ہے مگر خوشبو اس کے اندر مطلقاً نہیں ہے یہ اسلئے کہ قرآن کی خوشبو (یعنی تلاوت) کے ساتھ وہ معطر نہیں ہوا۔ اگرچہ اس نے اپنے قلب کو قرآن کے ماء سلسبیل سے دھویا ہے اور اس کو اپنے عمل جمیل میں معمول (اور نمونہ) بھی بنالیا ہے

تیسرا ان میں سے وہ فاجر یا منافق ہے جس میں ایمان کا صرف نام ہی نام ہے دینی امور سے سوائے رسوم کے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اسکو خوب پختہ یاد کئے ہوئے ہے اور اس کے جملہ طرق کی مشق کئے ہوئے ہے اور اس کی قراءتوں سے واقف ہے اس کے الفاظ کی توقیع یعنی خوب جما کر پڑھنے کو اور اس کے لہجوں کو بخوبی جانتا ہے مگر تلاوت اسکے گلے اور حلق کے نیچے نہیں اترتی۔ اگر تم اس کا امتحان لو تو تم کو سیاہ دل تاریک قلب، برے اخلاق، موذی اعمال ظاہر ہوں گے اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ سے دی ہے جو نہایت عمدہ خوشبو اور چکھو تو ایسی کڑواہٹ جس سے زبان ہی اینٹھ جائے۔ اسی طرح یہ شخص ہے کہ قرآن پڑھتا ہے جس کیوجہ سے لوگوں کو لطف تو حاصل ہوتا ہے جس طرح سے کہ عمدہ خوشبو سے راحت ملتی ہے لیکن اس کا قلب اور نفس دونوں برائیوں میں لپٹے ہوئے ہیں جس کی کڑواہٹ تم اس سے معاملہ کرنے یا معاشرت رکھنے پر چکھ سکتے ہو اور اس کی گندگی محسوس کر سکتے ہو اور اس جیسے شخص کے نفس میں قرآن کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کا فسق ونفاق اسکے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔ پس نہ تو کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے اور نہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی وعظ ہی نافع ہوتا ہے۔

اور چوتھا وہ شخص منافق یا فاجر ہے جس کا تعلق قرآن شریف سے مطلقاً نہ ہو۔ نہ علماً نہ عملاً نہ تلاوۃً نہ حفظاً۔ اس شخص کی تشبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ سے دی

۱؎ خوشم ایمانی - ۱۲

ہے کہ نہ تو اس میں خوشبو ہے اور مزہ بھی اس کا نہایت بھکٹا ہوتا ہے۔ یہی حال اس
شخص کا ہے کہ یہ ایک ایسا نفس رکھتا ہے جو فسق و فجور کا مجسمہ ہے اور نفاق میں بڑھا
اور پلا ہے۔ اگر لوگ اس کو چکھیں تو انکی زبانیں تکلیف محسوس کریں ان کے نفوس خراب
ہو جائیں اس سے کسی قسم کی بھلائی نہیں دیکھی اور سونگھی جا سکتی ہے اس لئے کہ
سب خوشبوؤں سے بڑھ کر جو خوشبو ہے اور سارے عطروں کا جو عطر ہے یہ شخص اسی سے
محروم ہے (یعنی) اللہ تعالیٰ کی کتاب جو آنکھوں کی روشنی اور سینوں کا انشراح نفوس کی
حیات، قلوب کی تازگی، کانوں کا زیور اور عقول کا چراغ ہے۔ یہی کل چار قسمیں ہیں
جن کے بیان اور تمثیل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعرض فرمایا ہے۔ پس اے
مخاطب کاش تم دیکھتے کہ تم نے اپنے کو ان چاروں صنفوں میں سے کس میں داخل کیا
ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ تم مومن مخلص قاری متدبر اور عامل پرہیزگار ہو گے۔

آثار صحابہ قرآن و حاملین قرآن سے متعلق

(۱) ـــــ قال ابو امامۃ الباھلی اقرأوا القرآن ولا تغرنکم ھذہ المصاحف المعلقۃ فان اللہ لا یعذب قلباً ھو وعاء للقرآن (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی قرارت کیا کرو یہ مصاحف جو معلق ہیں تم کو ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالیں اس لئے کہ اللہ تعالے اس قلب کو عذاب نہ دیں گے جو کہ قرآن کا ظرف ہوگا۔

(۲) ـــــ وقال ابن مسعودؓ اذا اردتم العلم فانثروا القرآن فان فیہ علم الاولین والاٰخرین۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب تم علم حاصل کرنے کا ارادہ کرو تو قرآن پاک کا نثر کرو (اور پڑھو) اس لئے کہ اس میں اولین و آخرین سب کا علم ہے۔

(۳) ـــــ وقال ایضاً لا یسأل احدکم عن نفسہ الا القرآن فان کان یحب القرآن ویعجبہ فھو یحب اللہ سبحانہ ورسولہ صلے اللہ علیہ وسلم وان کان یبغض القرآن فھو یبغض اللہ سبحانہ ورسول اللہ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) نیز فرمایا کہ تم میں کا کوئی اپنے نفس سے سوائے قرآن کے اور کسی چیز کا سوال نہ کرے۔ پس اگر قرآن سے محبت کرتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ اور اگر قرآن کو مبغوض رکھتا ہے تو وہ اللہ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بُغض رکھتا ہے۔

(۴) ـــــ وقال عمرو بن العاصؓ کل آیۃ فی القرآن درجۃ فی الجنۃ ومصباح فی بیوتکم۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ قرآن کی ہر آیت جنت میں ایک درجہ ہے اور تمہارے گھروں میں چراغ ہے۔

(۵) ــــ وقال ایضًا من قرأ القرآن فقد ادرجت النبوة بین جنبیہ الا انہ لا یوحٰی الیہ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) نیز فرمایا کہ جس نے قرآن کی قرارت کی تو اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان نبوت داخل کر دی گئی مگر یہ کہ اس کیطرف وحی نہیں آئیگی (اس لئے کہ اس کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے)۔

آسیب و جنات کے تسلّط کا علاج

(۶) ــــ وقال ابو هریرة ان البیت الذی یتلی فیہ القرآن اتسع باھلہ وکثر خیرہ وحضرت الملائکة وخرجت منہ الشیاطین وان البیت الذی لا یتلی فیہ کتاب اللہ عزوجل ضاق باھلہ وقل خیرہ وخرجت منہ الملائکة وحضرتہ الشیاطین۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ گھر اس کے اہل پر وسیع ہو جاتا ہے اس میں خیر کثیر ہو جاتا ہے اور فرشتے داخل ہوتے ہیں اور شیاطین نکل جاتے ہیں۔ اور وہ گھر جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے تو وہ اپنے اہل پر تنگ ہو جاتا ہے اور خیر کم ہو جاتا ہے، ملائکہ نکل جاتے ہیں اور شیاطین کی آمد و رفت ہو جاتی ہے۔

(ف) آج عام طور پر لوگ آسیب و جنات کی شکایت کرتے ہیں، روزانہ خطوط آتے ہیں کہ فلاں کو آسیب لگا ہے اور فلاں پر جن سوار ہے، اور ہمارے گھروں پر شیاطین و جنات کا تسلط ہے۔ پریشان ہیں مگر ان تعلیمات کیطرف توجہ نہیں کرتے کہ جس گھر میں تلاوت کلام اللہ ہوتی ہے اس میں شیاطین کا گذر نہیں ہو سکتا۔ گھر میں وسعت و خیر و برکت ہوتی ہے۔ جانتے ہیں؟ یہ لوگ کیوں تعلیمات

کو نہیں لیتے وجہ یہ ہے کہ بڑے ہوشیار لوگ ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ سب کرنے میں محنت ومشقت برداشت کرنی ہوگی۔ تقویٰ وطہارت کا اہتمام کرنا ہوگا۔ کون ان سب امور میں مشغول ہو۔ لاؤ پیر سے تعویذ لے لو وہی سب کام بنادیگی۔ یہ لوگ پیر اس لئے نہیں بناتے ہیں کہ دین سیکھیں اور اللہ تعالیٰ کا طریق معلوم کریں اور احکامِ الٰہیہ پر عمل کریں بلکہ اسلئے کہ دنیوی امور میں ہماری مدد کریں آسیب اتاریں، جنات نکالیں، نیز اور جس کام میں عاجز ہوتے ہیں تو وہ سب پیر صاحب کریں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو اب لکھدیتا ہوں کہ میں تعویذ گنڈہ نہیں جانتا کسی دوسرے کے یہاں رجوع کرو۔ یہ اس لئے کرتا ہوں کہ جب یہ لوگ بد اعتقاد ہو گئے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو نہیں مانتے تو پھر انکی رعایت ہمارے ذمہ لازم نہیں رہی۔ یہ جب خدا کے اور رسول کے نہیں تو ہم کو ان سے کیا واسطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کا اتباع کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔ پھر جب کوئی مصیبت آئے تو ہم دل وجان سے شریک ہیں اور جو بھی ممکن صورت سہولت کی ہوگی ہم اختیار کریں گے تاکہ پریشانی دور ہو۔

(۷) ــــــ وقال احمد بن حنبل رأیت اللہ فی المنام فقلت یا رب ما افضل ما تقرب بہ المتقربون الیک قال بکلامی یا احمد قال قلت یا رب بفھم او بغیر فھم قال بفھم وبغیر فھم۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ یا رب جن چیزوں سے مقربین نے آپ کا قرب حاصل کیا ہے۔ ان میں سب سے افضل کون سی چیز ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اے احمد وہ میرا کلام ہے۔ میں نے کہا سمجھ کر یا بلا سمجھے تو فرمایا کہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔

(۸) ــــــ قال محمد بن کعب القرظی اذا سمع الناس القرآن من اللہ عزوجل یوم القیامۃ فکانھم لم یسمعوہ قط۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) محمد ابن کعب قرظیؒ نے فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ سے قرآن کو قیامت کے

روز سنیں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ گویا قرآن پاک کو کبھی سنا ہی نہیں تھا۔

(۹) ـــــ قال الفضیل بن عیاض ینبغی لحامل القرآن ان لا یکون لہ الی احد حاجۃ و لا الی الخلفاء فمن دونھم فینبغی ان تکون حوائج الخلق الیہ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت فضیل ابن عیاض نے فرمایا کہ حاملِ قرآن کیلئے مناسب ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ نہ تو خلفاء کا اور نہ ان کے غیر کا۔ بلکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ لوگوں کی ضروریات خود حاملِ قرآن کے ساتھ متعلق ہوں۔

(۱۰) وقال ایضاً حامل القرآن حامل رایۃ الاسلام فلا ینبغی ان یلھو مع من یلھو و لا یسھو مع من یسھو و لا یلغو مع من یلغو تعظیماً لحق القرآن۔

(احیاء العلوم)

(ترجمہ) اور حضرت فضیل ابن عیاض ہی نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن کا حامل اسلام کا علمبردار ہے۔ اس کے لئے حقِ قرآن کی تعظیم کیوجہ سے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ لہو و لعب کرنے والوں کے ساتھ لہو و لعب میں مشغول ہو اور سہو (غفلت) کرنیوالوں کے ساتھ وہ بھی سہو کرے اور جن لغویات میں لوگ مشغول ہیں وہ بھی مشغول ہو۔

(۱۱) ـــــ وقال سفیان الثوری اذا قرأ الرجل القرآن قبلہ الملک بین عینیہ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی قرارتِ قرآن کرتا ہے تو فرشتے اس کے دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی) کو بوسہ دیتے ہیں۔

(۱۲) ـــــ وقال عمر ابن میمونؒ من نشر مصحفاً حین یصلی الصبح فقرأ منہ مائۃ آیۃ رفع اللہ عزوجل لہ عمل جمیع اھل الدنیا۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت عمر ابن میمونؒ نے فرمایا کہ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد جس شخص نے قرآن پاک کھولا اور ۱۰۰ سو آیت تلاوت کی تو تمام اہلِ دنیا کے عمل کے برابر اللہ تعالےٰ اس کے لئے عمل کو رفع فرمادیں گے (یعنی اٹھادیں گے)

(۱۳)____ یروی ان خالدؓ بن عقبة جاء الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وقال اقرأ علیّ القرآن فقرء علیہ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی الاٰیۃ) فقال لہ اعِدْ فاعاد۔ فقال وَاللّٰہِ ان لہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اسفلہ لمورق وان اعلاہ لمثمر ومایقول ھٰذا بشر۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) مروی ہے کہ خالد ابن عقبہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ مجھ پر قرآن کی قرات کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی الاٰیۃ پوری آیت کو پڑھا تو خالد ابن عقبہ نے کہا کہ پھر اس کو پڑھ دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ قرآت فرمادی۔ حضرت خالد نے سن کر کہا کہ بیشک اس کے اندر بڑی مٹھاس ہے اور اس کے اوپر بڑی رونق وبہار ہے اور اس کا نچلا حصہ پتوں والا اور اوپر کا حصہ پھلدار ہے اور اس کلام کو کوئی بشر نہیں کہہ سکتا۔

(ف) :۔ دیکھئے خالد ابن عقبہ کیسا ذوق رکھتے تھے کہ ایک آیت کو سنکر یہ فیصلہ کردیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہوسکتا۔ اور کوئی بشر قادر نہیں ہے کہ ایسا کلام کرسکے بیشک یہ اللہ تعالٰے کا کلام ہے۔

(۱۴)____ وقال القاسم ابن عبد الرحمٰن قلت لبعض النساك ما ھٰھنا احد تستانس بہ فمد یدہ الی المصحف ووضعہ علیٰ حجرہ و قال ھٰذا۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) قاسم ابن عبد الرحمٰن نے کہا کہ میں نے ایک عابد سے کہا کہ یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جس سے آپ اُنس حاصل کریں تو انھوں نے اپنا ہاتھ قرآن پاک کی جانب بڑھادیا اور اپنی گود میں اس کو رکھ کر فرمایا کہ (میرا مونس تو) یہ ہے (جس سے انس حاصل کرتا ہوں)

(ف) سبحان اللہ کیا عمدہ جواب دیا۔ قاری قرآن خدا سے ہم کلام ہوتا ہے اور

رب العالمین سے مناجات کرتا ہے تو پھر اس سے بڑھ کر اُنس کی کیا چیز ہو سکتی ہے۔

(۱۵) ــــــ وقال علی ابن طالب رضی اللہ عنہ ثلاث یزدن فی الحفظ و یذھبن البلغم۔ السّواک، والصیام وقراءة القرآن۔ (احیاء العلوم ج۱)

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں حفظ کو زیادہ کرتی ہیں اور بلغم کو زائل کرتی ہیں۔ مسواک، روزہ رکھنا، قرآن کی قرارت کرنا۔

ان احادیث و آثار سے قرآن پاک کی کس قدر فضلت معلوم ہوئی۔ مگر یہ سب فضائل اسی صورت میں ہیں جبکہ تلاوت ایمان و اعتقاد سے ہو اور اخلاص سے ہو، نفاق سے اور سرسری نہ ہو۔ اسلئے کہ اگر تلاوت محض لسان سے ہے قلب پر اس کا ذرا اثر نہیں اور اس کے احکام پر عمل نہیں تو ایسی قرارت کرنیوالا ہرگز ان فضائل کے پانے کا مستحق نہیں ہے بلکہ ایسی قرارت کرنیوالے کی مذمت احادیث و آثار میں کثرت سے وارد ہے۔ جیسا کہ پہلے ضمناً معلوم ہو چکا ہے۔ مگر اب اور روایات نقل کی جاتی ہیں تاکہ مزید علم کا موجب ہو۔

احادیث و آثار تلاوت سے غفلت برتنے والوں کی مذمت میں

(۱) عن جابرؓ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نقرأ القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرؤا فکل حسن وسیجیء اقوام یقیمونہ کما یقام القدح ویتعجلونہ ولا یتاجلونہ۔ (مشکوٰة شریف)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں ہمارے پاس تشریف لائے کہ ہم سب لوگ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اور ہم میں دیہاتی لوگ اور اہلِ عجم بھی تھے (جو کہ اپنے اپنے لہجوں میں قرارت کر رہے تھے) آپ نے فرمایا کہ پڑھے جاؤ سب ٹھیک ہے عنقریب ایک قوم ایسی آئیگی جو اس کے الفاظ کو اس طرح درست

کرے گی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے (اور ان کا حال یہ ہوگا) کہ اس سے نفع دنیوی چاہیں گے اور آخرت کے ثواب کا قصد نہ کریں گے۔

اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ:

(فقال اقرؤا فکل حسن) ای فکل واحدة من قراءتکم حسنة مرجوة للثواب اذا اٰثرتم الاٰجلة علی العاجلة ولا علیکم ان لا تقیموا السنتکم اقامة القدح وھو السھم قبل ان یراش۔

(وسیجئ اقوام یقیمونہ) ای یصلحون الفاظہ وکلماتہ ویتکلفون فی مراعاة مخارجہ وصفاتہ (کما یقام القدح) ای یبالغون فی عمل القراءة کمال المبالغة لاجل الریاء والسمعة والمباھاة والشھرة۔

قال الطیبی وفی الحدیث رفع الحرج وبناء الامر علی المساھلة فی الظاھر وتحری الحسبة والاخلاص فی العمل والتفکر فی معانی القرآن الخوض فی عجائب امرہ۔ (یتعجلونہ) ای ثوابہ فی الدنیا (ولا یتأجلونہ) بطلب الاجر فی العقبیٰ بل یوثرون العاجلة علی الاٰجلة ویتاکلون ولا یتوکلون۔ (مرقات)

(ترجمہ) (فکلٌّ حسنٌ) یعنی تم میں سے ہر ایک کی قرأت ٹھیک ہے سب پر ثواب کی امید ہے مگر جب آخرت کو دنیا پر ترجیح دو (یعنی مقصود قرارت سے آخرت کا ثواب ہو دنیا مقصود نہ ہو) اور اگر تم لوگ اپنی زبان کو تیر کی طرح سیدھی نہ کرو تو کچھ ملامت نہیں ہے اور قِدح تیر کی لکڑی کو کہتے ہیں جس میں ابھی پَر نہ لگا ہو۔

(وَسَیَجِیْءُ اَقْوَامٌ یُقِیْمُوْنَہٗ) کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اس کے الفاظ اور کلمات کی اصلاح کریں گے اور مخارج وصفات کی رعایت اس طرح تکلف سے کرینگے جیسا کہ تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ یعنی قرارت میں انتہائی مبالغہ کریں گے اور غرض (ان تمام سے) ریاء، وسمعہ اور مباہات (نام ونمود، فخر) اور شہرت ہوگی۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہ فوائد ہیں کہ امت سے حرج مرفوع ہے اور امر کی بنا ظاہر میں سہولت پر ہے اور عمل میں ثواب کی طلب اور اخلاص ہونا چاہئے۔ قرآن

کے معانی میں تفکر اور اس کے عجائب میں غور و خوض کرنا چاہئے۔

(یتعجلونہ) اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا بدلہ دنیا ہی میں چاہیں گے۔ آخرت میں اس کے اجر و ثواب کو طلب نہ کریں گے۔ بلکہ دنیا ہی کو آخرت پر ترجیح دینگے، اس سے تاکل کرینگے (یعنی ذریعہ معاش بنالیں گے) توکل نہ اختیار کریں گے۔

اس حدیث سے کس قدر مذمت ان قراء کی معلوم ہوئی جو کہ اغراض دنیویہ کی تحصیل کیلئے قراءت کرتے ہیں اور اسی نیت سے تجوید و تصحیح حروف کرتے ہیں۔ یہ لوگ مخلص نہیں ہیں اور اس مرتبہ عظمیٰ کے پانیکے مستحق نہیں ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصحیح حروف اور تجوید کلمات کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ اس پر مذمت فرمائی کہ ان لوگوں نے امر مہم یعنی آخرت کے اجر و ثواب کو ترک کر دیا اور ظاہر ہی کو کافی سمجھ لیا۔ ایسے لوگ اب بہت ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ کے لوگوں کا حال حضور نے بطور پیشین گوئی کے فرمایا وہ یہی زمانہ تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

منافقینِ عملی کے اوصاف

دوسری حدیث سنئے!

(۲) اَکْثَرُ مُنَافِقِیْ اُمَّتِیْ قُرَّاءُ ھَا یعنی میری امت کے اکثر منافقین قراء ہوں گے۔

(جامع الصغیر۔ عن ابن عمرو بحوالہ مسند احمد، طبرانی فی الکبیر، بیہقی فی شعب الایمان وغیرذلک)

صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں کہ:

ای انھم یحفظون القرآن نفیا للتھمۃ عن انفسھم وھم معتقدون تضیعہ وکان المنافقون فی عصرہ صلے اللہ علیہ وسلم بھذہ الصفۃ۔

(ترجمہ) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی ذات سے تہمت کی نفی کیلئے قرآن پاک کا حفظ کریں گے اور ان کا یہ حال ہو گا کہ قرآن کے ضائع کر دینے کے معتقد ہوں گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین اسی قسم کے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں منافقین سے مراد "اعتقادی" ہی نہیں ہیں بلکہ منافقین عملی بھی ہیں۔ ان لوگوں کی شان یہ ہوگی کہ قرآن کی قرأت نہایت خوش الحانی سے کریں گے اور تجوید کلمات سے واقف بھی ہونگے، مگر حال یہ ہوگا کہ ان کی قرارت گلے سے تجاوز نہ کرے گی اور دل پر ذرا اثر نہ ہوگا اور نہ اثر لینے کا ارادہ ہی کرینگے بلکہ انکی غرض محض ریار وسمعہ اور شہرت ہوگی۔ اسی کو ذریعۂ معاش بنالیں گے۔ آخرت کے ثواب کی نیت ہی نہ ہوگی۔ ایسے ہی قرار کی مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "ریحانہ" سے دی ہے۔ اور ایسی قرارت کرنے والے کو منافق فرمایا ہے۔

اس زمانہ میں اس قسم کے لوگ کثرت سے موجود ہیں ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ محض علم تجوید حاصل کرلینے اور زبان کو درست کرلینے کو کافی سمجھتے ہیں۔ خشوع وخضوع اور تاثر کا ذرا ارادہ نہیں کرتے۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ الفوز الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

عارفے گفتہ است کہ ازاں باز کہ قواعد تجوید را مردماں یاد گرفتند از خشوع در تلاوت بازماندند (یعنی ایک عارف نے کہا ہے کہ جب سے لوگوں نے تجوید کے قواعد کو یاد کرلیا اسی وقت سے تلاوت میں خشوع کو چھوڑ دیا ہے)

(۳) شرار الناس فاسق قرأ كتاب الله وتفقه في دين الله ثم بذل نفسه لفاجر اذا انشط تفكه بقراءته ومحادثته فيطبع الله تعالىٰ على قلب القارى والمستمع۔ (طحطاوی علی الدر ص۳۰ ج۱)

(ترجمہ) لوگوں میں سب سے بدترین شخص وہ فاسق ہے کہ کتاب اللہ کو پڑھا اور اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا پھر اس نے اپنے نفس کو (اغراض دنیویہ کی خاطر) فاجر کے ہاتھ بیچ دیا اس فاسق کو جب نشاط ہوتا ہے تو اس کی قرارت سے اور اس کے کلام سے تفکہ اور لطف حاصل کرتا ہے (جیسے کہ اغنیار کھانا کھانے کے بعد پھل فروٹ سے تفکہ کرتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتوں سے دل بہلاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ ایسے قاری اور سامع دونوں کے قلب پر مہر لگا دیتے ہیں (اور پھر اثر نہیں ہوتا)

قال انس بن مالک رُبّ تالٍ للقرآن والقرآن یلعنہٗ۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ بہت سے قرآن کی تلاوت کرنیوالے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

(۴) قال میسرۃ الغریب ھو القرآن فی جوف الفاجر (احیاء العلوم) حضرت میسرہؓ فرماتے ہیں کہ قرآن فاجر کے قلب میں غریب یعنی اجنبی اور بیگانہ ہے۔

(۵) قال بعض العلماء ان العبد لیتلو القرآن فیلعن نفسہ وھو لا یعلم یقول الا لعنۃ اللہ علی الظالمین وھو ظالم نفسہٗ۔ الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین و ھومنھم۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ بندہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور اپنے نفس پر لعنت بھیجتا ہے اور اس کو وہ جانتا بھی نہیں (مثلاً) کہتا ہے کہ (ظالمین پر خدا کی لعنت ہے) اور وہ خود ظالم ہوتا ہے (اسی طرح یہ کہتا ہے کہ) کاذبین پر خدا کی لعنت ہے اور خود وہ کاذب ہوتا ہے (اس طرح وہ اپنے نفس پر لعنت کرتا ہے)

(۶) قال الحسن اتخذتم قراءۃ القرآن مراحل وجعلتم اللیل جملاً فانتم ترکبونہ فتقطعون بہ مراحلہ وان من کان قبلکم رأوہ رسائل من ربھم فکانوا یتدبرونھا باللیل وینفذونھا بالنھار۔ (احیاء العلوم)۔

(ترجمہ) حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے قرأتِ قرآن کو مراحل بنالیا ہے اور رات کو اونٹ بنالیا ہے پس اس پر سوار ہوکر مراحل کو طے کرتے ہو اور تم سے پہلے کے لوگ (ایسے نہیں تھے وہ) قرآن کو اپنے پروردگار کی جانب سے رسائل سمجھتے تھے تو اس کو رات میں سمجھتے تھے اور دن میں اسکو نافذ کرتے تھے (یعنی عمل کرتے تھے)

(۷) قال ابن مسعودؓ انزل القرآن علیھم لیعملوبہ فاتخذوا دراستہٗ عملا ان احدکم لیقرأ القرآن من فاتحتہ الی خاتمتہ مایسقط منہ حرفاً وقد اسقط العمل بہ۔ (احیاء العلوم)

عہ منزلیں۔ عہ خط و پیغام

(ترجمہ) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے کہ لوگ اس پر عمل کریں۔ پس ان لوگوں نے یہ کیا کہ اس کے پڑھنے پڑھانے ہی کو عمل کے قائم مقام قرار دے لیا اور اب یہ حال ہے کہ تم میں کا ایک شخص شروع سے آخر تک اس طرح پڑھ جاتا ہے کہ ایک حرف بھی نہیں چھوڑتا لیکن اس پر عمل کو بالکل ہی چھوڑے رہتا ہے۔

(۸) وفی حدیث ابن عمر وحدیث جندب رضی اللہ عنہما عشنا دھرا طویلا واحدنا یؤتی الایمان قبل القرآن فتنزل السورۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فیتعلم حلالھا وحرامھا وآمرھا وزاجرھا وماینبغی ان یقف عندہ منھا ثم لقد رأیت رجالا یؤتی احدھم القرآن قبل الایمان فیقرأ مابین فاتحۃ الکتاب الی خاتمتہ لا یدری ما آمرہ ولا زاجرہ و لا ماینبغی ان یقف عندہ منہ ینثرہ نثر الدقل۔ (احیاء العلوم)

(ترجمہ) حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جندب رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ہم نے ایک مدت اس حال میں گذاری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص کو قرآن سے پہلے ایمان ملتا تھا پھر کوئی سورہ حضور پر نور صلے اللہ پر نازل ہوتی تھی تب وہ (ایمان کے تقاضے سے) اس سورۃ کے حلال وحرام کو معلوم کرتا تھا اور اس کے اوامر ونواہی معلوم کرتا تھا۔ اور یہ بھی معلوم کرتا تھا کہ کہاں توقف کرنا مناسب ہے۔ اب میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جنکو ایمان تو ابھی نہیں ملا لیکن قرآن مل گیا تو ایک شخص سورۃ فاتحہ سے لیکر ختم قرآن تک پڑھ جاتا ہے مگر اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ قرآن اسے کس بات کا حکم کر رہا ہے اور کس بات سے منع کر رہا ہے اور نہ یہ خبر ہوتی ہے کہ کہاں توقف کرنا چاہئے بس قرآن کو ردی کھجوروں کیطرح بکھیرتا چلا جاتا ہے۔

یعنی جس طرح ردی کھجور کو آدمی دیر تک منہ میں نہیں لئے رہتا اس لئے کہ اس میں کوئی مزہ و مٹھاس نہیں پاتا۔ اسی طرح قرآن سے ذرا لطف و حظ جس کے قلب کو نہیں ملا رہتا اور دل میں کچھ تاثر نہیں رہتا وہ زبان سے فرفر پڑھتا چلا جاتا ہے۔ ذرا غور نہیں کرتا کہ کس کے کلام کی تلاوت کر رہا ہے۔ اس لئے اس کی قرارت نہایت پھیکی اور بے لطف معلوم ہوتی ہے۔ نہ خود اس کو کوئی حلاوت ملتی ہے اور

نہ سامعین ہی کو۔

ذرا اس پر غور فرمائیے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جندبؓ اپنا مشاہدہ بیان فرمارہے ہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں کہ شروع سے آخر تک قرآن پڑھ جاتے ہیں اور اس کے احکام پر اصلاً غور نہیں کرتے۔ اور یہ بھی فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ قرآن ایمان سے پہلے ہی دیدیئے گئے ہیں قرارت کر رہے ہیں مگر ایمان ندارد کتنی بڑی بات فرمائی۔ حالانکہ حضور کے عہد مبارک سے بہت ہی قریب کا زمانہ تھا تاہم اس قدر تفاوت احوال میں ہو گیا تھا تو اب کے زمانہ کے لوگوں کے حال کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ میں لوگوں کے حالات دیکھتا تھا تو کہتا تھا کہ اگرچہ قرارت وغیرہ کر رہے ہیں مگر ایمان ضعیف اور تصدیق نہایت کمزور معلوم ہوتی ہے ورنہ تلاوت انھیں کہاں سے کہاں پہونچادیتی، ضرور بالضرور ان لوگوں کی تلاوت لفاتی اور سرسری ہوتی ہے۔ اب حضرت ابن عمرو جندب رضی اللہ عنہما کے فرمانے سے تقویت ہوئی اور بات خوب سمجھ میں آئی اور اب علی الاعلان اس بات کو کہہ سکتا ہوں۔

قرآن سے بے اعتنائی پر ایک ضرب کاری

(۹) وقد ورد فی التوراۃ یا عبدی اما تستحی منی یاتیک کتاب من بعض اخوانک وانت فی الطریق تمشی فتعدل عن الطریق وتقعد لاجلہ وتقرأہ وتتدبرہٗ حرفاً حرفاً حتّٰی لایفوتک شیٔ منہ وھذا کتابی انزلتہ الیک انظر کم فصّلت لک فیہ من القول وکم کررت علیک فیہ لتتامل طولہٗ وعرضہٗ ثم انت معرضٌ عنہ افکنتُ اھون علیک من بعض اخوانک

یا عبدی یقعد الیک بعض اخوانک فتقبل علیہ بکل وجھک وتصغی الی حدیثہ بکل قلبک فان تکلم متکلم اوشغلک شاغل عن حدیثہ اومأت الیہ ان کف وھا انا مقبل علیک ومحدث لک وانت معرض بقلبک عنی افجعلتنی اھون عندک من بعض اخوانک (احیاء العلوم)

(ترجمہ) توارت میں وارد ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) اے میرے بندے!
کیا تم مجھ سے شرم نہیں کرتے کہ جب تمہارے کسی بھائی کا کوئی خط تمہیں راستہ چلتے ہوئے
ملتا ہے تو تم راستے کے کنارے ہو جاتے ہو اور اس کے لئے بیٹھ جاتے ہو اور پڑھتے ہو۔ اس
کے ہر ہر حرف میں تدبر کرتے ہو کہ کہیں کوئی چیز تمہارے پڑھنے سے چھوٹ نہ جائے۔ اور یہ
میری کتاب ہے جسکو میں نے تم پر نازل کیا ہے۔ دیکھو کس قدر میں نے اس میں تفصیل اور
توضیح کی ہے اور کتنا تمہارے لئے تکرار کیا ہے تاکہ تم اس کے طول وعرض میں تامل کرو لیکن
(تمہارا یہ حال ہے) کہ تم اس سے اعراض کرتے ہو۔ کیا میں تمہارے کسی بھائی سے بھی کمتر ہوں۔
اے میرے بندے تمہارا کوئی بھائی جب تمہارے پاس بیٹھا رہتا ہے تو تم کامل طور پر
اس کیطرف متوجہ رہتے ہو اور اس کی گفتگو کیطرف ہمہ تن گوش بن جاتے ہو اگر کوئی درمیان
میں بولنے لگتا ہے یا کوئی شاغل تم کو اس کے کلام سے روکتا ہے تو تم اشارہ کرتے ہو کہ ٹھہرو
تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ (کس قدر افسوس کی بات ہے) کہ میں تو تمہاری جانب متوجہ
ہوں اور تم سے ہم کلام ہوں اور تمہارا قلب، مجھ سے اعراض کر رہا ہے کیا تم نے مجھ کو اپنے ادنیٰ
بھائی سے بھی کمتر سمجھ لیا ہے۔"

دیکھا آپ نے اللہ رب العالمین اپنے بندوں سے یہ فرما رہے ہیں کہ ہماری کتاب
کے ساتھ ایسی بے اعتنائی اور بے وقعتی کا برتاؤ۔ گویا اس کی تمہارے نزدیک
کوئی وقعت وعظمت ہی نہیں۔ اس سے کہیں زیادہ تو تم اپنے دوست واحباب
کے خطوط کی جانب توجہ کرتے ہو اور اس میں غور وخوض کرتے ہو کہ کوئی حرف بلا
پڑھے اور سمجھے نہ رہ جائے۔ کیا میں تمہارے دوست سے بھی کمتر ہوں۔ اور میرا کلام
تمہارے نزدیک تمہارے دوست کے مکتوب سے بھی بے وقعت ہے۔

یہ کلام کس قدر غیرت دلانے والا ہے ظاہر ہے مومن کا دل تو یہ سن کر موم ہی
ہو جانا چاہیئے اور قرآن کیطرف کامل توجہ اور اعتناء ہونا چاہیئے اور کسی کلام کو
اس پر فوقیت نہ دینا چاہیئے۔ اگر اب بھی جمود (اور بے حسی) ہی رہے تو یہ مومن

مخلص کی شان سے نہایت بعید امر ہے۔

ان احادیث و آثار سے بھی قرآن پاک کی کس قدر عظمت معلوم ہوتی ہے۔ اسکی قرارت اور اس پر عمل کی کتنی تاکید ظاہر ہوتی ہے اسکی قرارت میں کوتاہی اور اس کیطرف سے بے اعتنائی پر کتنی تہدید اور وعید مفہوم ہوتی ہے۔

قرآن پاک کی تلاوت کے متعلق احادیث و آثار کثیر ہیں مگر جتنی نقل کی گئی ہیں طالبین کیلئے یہی کافی وافی ہیں اگر کسی کو تفصیل دیکھنا ہو تو مطولات (بڑی بڑی کتابوں) کا مطالعہ کرے۔

تلاوت بغیر معانی سمجھے ہوئے مفید اور باعث ثواب ہے

اس مسئلہ پر بھی سلف نے مفصل کلام فرمایا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جملہ مسائل پر تو شافی کلام کریں اور اسی بحث سے پہلوتہی کر جائیں جس پر دین کی بنیاد ہے اور جو اللہ تعالےٰ سے نسبت اور تعلق کا اہم و اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ اگر یہ خیال ہے کہ سلف نے اس مسئلہ پر کلام نہیں کیا ہے یا واضح طور پر بیان نہیں فرمایا ہے تو یہ ان حضرات قدسیہ کے ساتھ صریح بدظنی اور بداعتقادی ہے۔ جو نہایت مذموم اور منکر ہے اسلئے کہ جن حضرات نے اسقدر جانفشانی اور مشقتوں کو برداشت کر کے دین کی حفاظت کی اور ہم تک انھیں کے ذریعہ سے دین پہنچا انھیں کی تقصیر کا اعتقاد کیا جائے (نعوذ باللہ)

کام کا طریقہ اور کامیابی کی شرائط

سنئے! کام کرنے والوں کے لئے لازم ہے کہ پہلے لوگوں کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور اس کے مطابق کام کریں۔ جبھی کچھ کام کی توقع ہے۔ ورنہ سوائے دوڑ دھوپ اور محنت و مشقت کے کچھ نتیجہ نیک میسر نہ ہوگا۔ وہ حضرات کتاب و سنت کے ہم سے کہیں زیادہ عالم تھے اس لئے کہ ان کا زمانہ عہد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے قریب تھا، خیر و صلاح زیادہ تھی، دین و تقویٰ لوگوں میں زیادہ تھا۔

اب وہ بات نہیں ہے اور روز بروز انحطاط ہوتا ہی جائے گا جب

اپنی عقل ورائے سے کام کیا جائیگا تو ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔ سلفؒ نے جو طریقہ اختیار کیا اس کے ثمراتِ حسنہ ظاہر و باہر ہیں کہ کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی اور واصل الی اللہ ہوئے بخلاف اب کے کہ کام ہو رہا ہے مگر چونکہ سلف کے طریقہ پر نہیں ہے اس لئے کامیابی نہیں ہو رہی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے تعلیم الدین میں شیخ قوام الدینؒ کے اس قول کو نقل فرمایا ہے کہ (اے درویش محک و معیار ایں کار کتاب و سنت است و سیر سلف کہ اہل اقتدا بودند) یعنی اے درویش اس کام کی کسوٹی اور معیار کتاب و سنت اور ان اسلاف کی سیرت ہے جو کہ مقتدا تھے۔

دیکھئے شیخ قوام الدین جو کہ بہت بڑے شیخ ہیں فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کے علاوہ سلفؒ کی سیرت بھی اس کام کا معیار ہے اسلئے کہ اگر ان کی سیرت کو مستحضر نہ رکھا جائیگا تو فہم و عقل بھی دشوار ہو جائیگی ان حضرات کی سیرت کو دیکھ کر ہی عمل کرنیکا ڈھنگ و شعور حاصل ہوتا ہے نیز عمل کیطرف رغبت و شوق پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر امت کا تعامل نہ ہوتا تو نماز تو نماز کتاب دیکھ کر کسی کو رکوع و سجدہ کرنا بھی نہ آتا۔

اسلاف کا قرآن سے شغف

چنانچہ ان حضرات کی سیرت کلام اللہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیے

علامہ شعرانیؒ تنبیہ المغترین میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے جب کوئی شخص رات میں قرآن پڑھتا تھا تو صبح کے وقت لوگ اس کا اثر یعنی شدت تغیر اور زردی رنگ اور دبلا پن اس کے چہرہ میں محسوس کرتے تھے۔ اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ رات میں اگر پورا قرآن بھی پڑھتا ہے تو صبح کے وقت اس کے چہرے پر اس کا کوئی اثر دکھلائی نہیں دیتا اور اس کا قرآن پڑھ لینا ایسا معمولی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ چادر اٹھا لینا۔

اب آپ لوگ اپنے سلفؒ کے حال میں غور کیجئے اور سوچئے کہ کیا آپ کا حال اپنے پروردگار کے کلام کی تلاوت اور اس کے سماع کے وقت یہی ہوتا ہے؟ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ہمارے اور سلفؒ کے احوال میں کس قدر تفاوت ہو گیا ہے۔

مثال کے طور پر سیدنا امام ابو حنیفہؒ کا ایک واقعہ سنئے!

ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں امام نے سورۂ اذازلزلت کی قرارت کی جب سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی داڑھی پکڑ کر مسجد ہی میں کھڑے ہو گئے اور صبح تک یہ فرماتے رہے کہ اے وہ ذات جو ایک ذرۂ خیر کی جزا خیر کے ساتھ اور ایک ذرۂ شر کی جزا شر کے ساتھ دے گا اپنے اس بندہ نعمان کو جہنم سے پناہ دید یجئے۔

سبحان اللہ! یہ حال تھا ہمارے امام صاحبؒ کا بھلا اس سے بڑھ کر کیا حال ہو سکتا ہے۔ یہ حال قرآن سے تھا، قیامت کا خوف غالب تھا وہاں کا منظر پیش نظر تھا اس لئے وہاں کے حساب و کتاب سے لرزتے رہتے تھے۔ آپ اس قدر روتے تھے کہ پڑوسیوں کو رحم آجاتا تھا اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ ان کے قلب میں رجاءؔ کی کیفیت فرما دیجئے کہ بکار (رونا) کم ہو جائے۔

اب ہم لوگ امام صاحبؒ کو محض احکام ظاہری میں تو اپنا پیشوا و مقتدا مانتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ آپ کی سیرتِ باطنی اور قلبی حال کس قدر زبردست تھا۔ آپ کو قرآن پاک سے کیسا تعلق و شغف تھا اور اس سے آپ پر کیسا حال طاری ہوتا تھا کہ رات رات بھر ایک ہی آیت کا تکرار کرتے رہ جاتے تھے۔ بھائی بات یہ ہے کہ امام صاحب تابعی تھے، آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھے ہوئے تھے۔ ان حضرات کے خوف و خشیت اور کلام الٰہی سے تعلق اور نسبت کو ملاحظہ فرمائے ہوئے تھے اور صحابہ کے شاگرد تھے اور ان سے نور باطن اخذ کئے ہوئے تھے۔ اس لئے امت کے سامنے صحابہ

عہ خدا کے رحمتوں کی امید۔ ۱۲

کانقشہ کھینچ دیتے تھے کہ قرآن پر اس درجہ کا ایمان و ایقان تھا اور قیامت کا اتنا استحضار تھا کہ کسی کل ان کو چین نہیں ملتا تھا۔

امام صاحبؒ کا کمال تو دیکھئے کہ انھوں نے سمجھا کہ میرے استنباط کئے ہوئے ظاہری احکام و مسائل کی لوگ اقتداء کریں گے اور میرے اقوال کو سند و حجت بنائیں گے تو بس اس پر اکتفاء نہ فرمایا بلکہ احوال و کیفیات کو بھی پیش کیا کہ اس میں بھی ہماری اقتداء ہونی چاہئے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جس سے سلفؒ کا قرآن کے ساتھ انتہائی شغف و ذوق اور انتہائی خشوع و خضوع معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ سلف میں اکثر لوگ ایسے تھے کہ ایک ہی آیت کی رات رات بھر تلاوت اور اس میں تدبر کرتے رہ جاتے تھے۔ بہت سے حضرات تلاوت کے وقت بیہوش ہو جاتے تھے۔ اور کتنے تو قرآن کی آیتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انکی وفات ہی ہو گئی۔

جب سلفؒ کو اس قدر تعلق قرآن سے تھا تو کیا وہ اس کے متعلق کوئی گوشہ چھوڑ دیں گے کہ بعد والوں کو اس میں تحقیق کرنے کی ضرورت پڑے چنانچہ اب میں سلفؒ کے اقوال نقل کرتا ہوں جس سے یہ مسئلہ کہ بغیر فہم معنیٰ بھی تلاوت قرآن مفید ہے، واضح ہو جائیگا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اسکو پڑھا کیجئے۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ:

تقربا الی اللہ تعالٰی بقراءتہ وتحفظا لالفاظہ واستکشافا لمعانیہ فان القاری المتأمل قد ینکشف لہ بالتکرار مالم ینکشف لہ اول ما قرع سمعہ۔ انتہی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن کا امر اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اسکی تلاوت سے حاصل ہو اور اس کے الفاظ محفوظ ہو جائیں اور اس کے معانی منکشف ہوں کیونکہ غور سے پڑھنے والے

شخص پر بعض دفعہ تکرار سے ایسے مضامین منکشف ہوتے ہیں جو پہلی بار سننے سے نہیں کھلتے "۔

اس میں تصریح ہے کہ نفس قرارت سے تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے اور کثرتِ قرارت سے تدبر کی کیفیت اور معانی کا انکشاف بھی ہوتا ہے۔ نفس تلاوت خود مامور بہا ہے اور عبادت ہے جیسے نماز۔ تو جس طرح نماز بلا فہم معنیٰ کے صحیح ہو جاتی ہے اور موجبِ قرب ہے اسی طرح قرارتِ قرآن بلا فہم معنیٰ صحیح ہے اور موجب قرب ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ذکر اللہ فرمایا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اسکے محافظ ہیں) جیسا کہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے متعلق علماء نے یہی فرمایا ہے کہ چونکہ یہ ذکر ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (پس تم اللہ کے ذکر کیطرف چل پڑا کرو) پس اس کے لئے فہم ضروری نہیں ہے اس لئے عربی ہی میں ہونا چاہئے، غیر عربی میں جائز نہیں۔ اگر فہم ضروری ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ جانتے تھے اور روم و فارس ان کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہ کا گذر عجم پر ہوا جب بھی انکی زبانوں میں ترجمہ نہیں کیا بلکہ عربی ہی میں خطبہ دیتے رہے حالانکہ ان زبانوں کے جاننے والے موجود تھے۔ یہ صریح دلیل ہے کہ جو ذکر اللہ ہو اس کا تلفظ خود عبادت ہے، اس کے عبادت ہونے کے لئے فہم معنیٰ شرط نہیں خوب سمجھ لیجئے۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری رح فرماتے ہیں کہ :

وقال ابن حجر اما الثواب على قراءته فهو حاصل لمن فهم ولمن لم يفهم بالكلية للتعبد بلفظه بخلاف غيره من الاذكار فانه لا يثاب عليه الا من فهم ولو بوجه ما۔ وفيه نظر لان نفي الثواب يحتاج الى نقل من حديث او كتاب والقياس ان لا فرق بينهما في اصل الثواب وان كان يتفاوت بين القرآن وغيره وبين من فهم و

من لا یفهم ۔ (مرقات)

(ترجمہ) ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ قرآن کی قرارت پر تو ثواب حاصل ہی ہوتا ہے جو سمجھے اسے بھی اور جو نہ سمجھے اسے بھی، کیونکہ وہ قرآن کے الفاظ تو زبان سے ادا کر ہی رہا ہے اور اس کا تلفظ عبادت ہے برخلاف قرآن کے علاوہ دوسرے اذکار کے کہ ان کا یہ حال نہیں کیونکہ انکو جب تک نہ سمجھے ثواب نہیں ملتا اگرچہ سمجھنا کسی درجہ کا ہو۔ مگر یہ بات قابل غور ہے کیونکہ (عام اذکار پر بلا فہم) ثواب کی نفی کرنے کیلئے کتاب و سنت سے کوئی نص و سند درکار ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ قرآن اور عام اذکار میں نفس ثواب کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہ ہو اگرچہ قرآن وغیر قرآن میں اور سمجھ کر پڑھنے والے اور بلا سمجھے پڑھنے والے کے اعتبار سے ثواب میں کمی و زیادتی ہو جائے"

علامہ ابن حجرؒ بہت ہی محقق شخص ہیں علماء ان کے اقوال کو سند بناتے ہیں اور انکو اپنی کتابوں میں نقل فرماتے ہیں جیساکہ ملا علی قاریؒ نے نقل فرمایا ہے اور اس پر کچھ نقض بھی وارد نہیں فرمایا ورنہ تو عموماً ان کے اقوال کو نقل فرماکر رد کر دیتے ہیں مگر اس قول کو سالم رکھا اس سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاریؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ نفسِ تلاوتِ کلام اللہ سے ثواب ملتا ہے، اگرچہ بلا سمجھے ہی ہو۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ سمجھ کر تلاوت کرنے میں ثواب زیادہ ملے گا مگر نفس ثواب کا انکار کب جائز ہو سکتا ہے۔

اور ابن حجرؒ نے جو یہ فرمایا کہ قرآن کے علاوہ اذکار میں بغیر فہم کے ثواب نہ ملے گا تو اس میں ملا علی قاریؒ نے کلام فرمایا ہے کہ نفیِ ثواب کے لئے نص کی ضرورت ہے تو یہ ٹھیک ہے مگر ذاکر کو اتنا تو سمجھنا ہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے رہا ہوں کسی مخلوق کا نام نہیں لے رہا ہوں۔ ایسی غفلت اور جہالت نہ ہو کہ کچھ کا کچھ کہتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر کر رہا ہوں۔ یہ بہت ہی برا ہے اور جاہلوں سے یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ ایسا کر ڈالیں اسلئے کہ ایک شخص دعا میں یہ کہتا

تھا کہ "اے اللہ صدق وکذب سے پناہ دیجئے" میں نے سنکر ایک دوبار تو تاویل کی کہ بھلا کوئی مسلمان صدق سے پناہ مانگے گا۔ مگر جب کئی بار سنا تو اس سے دریافت کیا تو بات صحیح نکلی واقعی صدق ہی سے پناہ مانگتا تھا۔ میں نے منع کیا کہ ایسا مت کرو ورنہ دعا قبول ہو جائے گی تو کبھی صدق وسچائی نصیب ہوگی۔

اب ہم تلاوت کلام اللہ بلا فہم معنیٰ کے مفید اور موجب قرب ہونیکی تائید میں طبقات کبریٰ کی عبارت پیش کرتے ہیں وھو ھذا۔

کان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول فی معنیٰ قول الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین رأی رب العزۃ جل جلالہ فی منامہ فقال یارب بما یتقرب الیک المتقربون قال یا احمد بتلاوۃ کلامی قال قلت یا رب بفھم اوبغیر فھم فقال یا احمد بفھم وبغیر فھم۔ المراد بفھم ما یتعلق بعلماء الشریعۃ وبغیر فھم ما یتعلق بعلماء الحقیقۃ فان العلماء مالھم اٰلۃ لفھم کلام اللہ تعالیٰ الا بالفکر والنظر واما العارفون فطریقھم الی فھمہ الکشف والتعریف الالٰھی وذٰلک لایحتاج الی تفھم۔ فقیل لہ فما تقول فی من یقرأہ من العوام من غیر فھم فقال قد صح ان لہ بکل حرف عشر حسنات فتحت قولہ وبغیر فھم مسئلتان (طبقات کبریٰ للشعرانی صفحہ ۱۳۶ ج ۲)

(ترجمہ ملخصاً)۔ سید علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کے بیان میں فرماتے تھے جبکہ انھوں نے (امام احمد نے) اللہ جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا تھا۔ اور یہ فرمایا تھا کہ آپ کا قرب پانے والوں نے سب سے زیادہ قرب کس چیز سے حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد میرے کلام کی تلاوت سے انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب تلاوت سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔ ارشاد ہوا جیسے بھی ہو سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے یہ مراد بفہم سے (یعنی سمجھ کر تلاوت کرنا) تو اس کا تعلق علماء شریعت سے ہے اور بغیر فہم کا تعلق علمائے حقیقت سے ہے۔ اس لئے کہ کلام اللہ کے سمجھنے کا کوئی آلہ علماء شریعت کے پاس بجز غور وفکر کے نہیں ہے، اور رہے عارفین تو ان کیلئے کلام اللہ

کے سمجھنے کا طریقہ کشف اور تفہیم الٰہی ہے اور یہ سمجھنے اور نظر کرنے کی محتاج نہیں ہیں۔ پھر ان بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ اچھا عوام کی تلاوت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کہ بلا سمجھے تلاوت کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ تو حدیث صحیح ہے کہ ہر حرف پر دس نیکی ملتی ہے۔ پس امام کے قول بغیر فہم کے تحت دو مسئلے ہیں (ایک تو عوام کی قرات دوسرے عارفین کی)

یہی حدیث تمام علماء کی مستدل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بغیر فہم معنیٰ کے بھی ثواب ملتا ہے کیونکہ اسی حدیث میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے۔ اسطرح اسکو تیس نیکی ملتی ہے حالانکہ کوئی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھتا۔

امام احمد بن حنبلؒ کے خواب کو امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں نقل فرمایا اور علامہ شعرانی نے بھی اس کتاب میں نقل فرمایا نیز اور بزرگانِ دین سے بھی سنا ہے تو گویا اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے پس اسکو سند میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سید علی خواصؒ نے اس کا خوب ہی مطلب بیان فرمایا ہے کہ تفہیم کا تعلق علمائے شریعت سے ہے اسلئے کہ کلام اللہ کے سمجھنے کیلئے ان حضرات کو نظر و فکر کرنا ضروری ہے اسلئے کہ اس کے علاوہ کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے جس سے معانی تک رسائی ہو سکے اور بغیر فہم کو علمائے حقیقت کے ساتھ متعلق فرمایا اسلئے کہ ان نفوس قدسیہ کو نظر و فکر کی ضرورت ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ انکو خود سمجھاتے ہیں وہ جیسے جیسے تلاوت کرتے جاتے ہیں معانی منکشف فرماتے جاتے ہیں تو بھلا پھر انکو نظر و فکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ یہ حضرات تو نظر و فکر کو اپنے اور خدا کے درمیان حجاب سمجھتے ہیں

رہے عوام تو ان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ بلا فہم معنیٰ بھی نفس تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔ اس کے متعلق صریح حدیث ہے کہ ایک حرف کی قرات پر دس نیکی ملتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نظر و فکر اور تدبر علماء کے لئے ہے، عوام اور عارفین کیلئے نظر و فکر ضروری نہیں ہے صرف تلاوت ضروری ہے اسی سے اور مراتب کی توقع کی جاتی ہے۔

عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم من قرأ حرفًا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا لا اقول الٓمٓ حرف الف حرف ولام حرف ومیم حرف۔ رواہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی وقال حدیث حسن صحیحٌ۔

(مشکوٰۃ۔ التبیان)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کیلئے اس کے عوض ایک نیکی ہے۔ اور ایک نیکی دس گنا کر کے دی جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ (لفظ) الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے (یعنی الٓمٓ تین حروف ہیں جن پر تیس نیکیاں ملتی ہیں) امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کر کے حسن اور صحیح کہا ہے"

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حرف کی قرارت پر دس نیکی کو فرمایا ہے ظاہر ہے کہ حرف کے معنیٰ تو کوئی بھی نہیں سمجھتا پھر بھی ثواب ملتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بغیر فہم معنیٰ کے بھی ثواب ملتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ اہل اللہ صاحب دہلوی اپنے رسالہ چہار باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(فضیلت تلاوتِ قرآن) وقرارت آں نیک ترین عبادت است کہ رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرمودہ است کہ ہر حرف کہ از قرآن مجید بخواند ثواب آں یک حسنہ بیابد، ثواب آں حسنہ را دہ چند کردہ دہند نہ پندارند کہ الٓمٓ یک حرف است بلکہ الف یک حرف است۔

تلاوتِ قرآن پاک کی فضیلت) قرآن پاک کی تلاوت عمدہ ترین عبادت ہے کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید کے ایک حرف کی تلاوت پر جو ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا کر کے عنایت فرماتے ہیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ (الف) ایک حرف ہے

ولام یک حرف است ومیم یک
حرف است وفرمود کہ می خوانید
قرآن را روز قیامت شفاعت
خواہد کرد اصحاب وقاریان خود را۔
وفرمود کہ روزِ قیامت خوانندۂ
قرآن را گویند کہ قرآن را بترتیل بخواں
ودر درجات بہشت ترقی کن مکانِ
تو آنجاست کہ تمام کنی قراءت آں را۔
وفرمود کہ خواندنِ قرآن شریف
بہتر است از تکبیر وتسبیح وصوم وصدقہ
پس لازم بر ہر مسلمان است کہ ہر روز
قدرے بترتیل وتجوید بخواند وورد خود
گیرد کہ فضیلت آں در احادیث صحاح
بسیار وارد شدہ۔
اگر مطلع باشد وبفہمد معانی آں
پس بہتر است وللّا در وقت تلاوت
ایں قدر داند کہ کلام خدا است وآنچہ
در آں امر ونہی وقصص ذکر کردہ
است راست ودرست است
ایمان آوردم بداں۔
(چہار باب ص۳۰)

لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف
ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا
کہ قرآن شریف پڑھا کرو اسلئے کہ یہ قیامت
کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریگا۔
اور یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن
پڑھنے والے سے کہا جائیگا کہ قرآن مجید ترتیل
کے ساتھ پڑھتے جاؤ اور بہشت کے درجات میں
ترقی کرتے جاؤ جہاں قراءت ختم ہوگی وہیں تمہارا مقام ہوگا۔
آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قرآن شریف کی
تلاوت تکبیر اور تسبیح، صوم وصدقہ سب سے افضل
ہے لہٰذا ہر مسلمان کیلئے لازم ہے کہ ہر روز کچھ قرآن
ترتیل اور تجوید کے ساتھ پڑھتا رہے اور اپنا
معمول بنالے کیوں کہ اس کی فضیلت صحیح
حدیثوں میں بکثرت وارد ہے۔
اگر معنی سمجھ سکے اور اس پر مطلع ہو سکے تو
بہتر ہے ورنہ تلاوتِ قرآن پاک کے وقت
اس کا استحضار رکھے کہ یہ خدائے تعالیٰ کا کلام
ہے اس میں جن باتوں کا حکم ہے اور جن
چیزوں سے منع کیا گیا ہے اور جو قصص و
حکایات بیان کئے گئے ہیں سب سچ اور
درست ہیں میں ان سب پر ایمان لاتا ہوں“

دیکھئے حضرت شاہ صاحبؒ نے کس قدر تفصیل سے اس مسئلہ پر کلام
فرمایا ہے کہ جو شخص معانی کو سمجھتا ہے اس کے لئے تو سمجھ کر تلاوت کرنا بہتر

ہے اور جو لوگ اس کے اہل نہیں انکو چاہئے کہ بلا فہم ہی تلاوت کریں مگر اس استحضار کے ساتھ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جو کچھ اوامر و مناہی و قصص اس کتاب میں ہیں درست و راست ہیں، یہ تلاوت اللہ تعالےٰ کے نزدیک معتبر اور مقبول ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ خشوع و خضوع کیوجہ سے ایسی تلاوت سمجھ کر تلاوت کرنے والوں کی تلاوت سے بڑھ جائے۔ چنانچہ مولانا عبدالرؤف صاحبؒ دانا پوری اصح السیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

نماز میں اگر آیاتِ قرآنی کو سمجھ کر پڑھے تو اسکی بہتری میں کلام نہیں لیکن نہ سمجھے تاہم نفس نماز میں اس سے کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی۔ نماز ایک عبادت ہے اور اس سے مقصود اصلی خشوع و خضوع پیدا کرنا ہے اور وہ آیات کے مطلب نہ سمجھنے سے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ ایک بے علم جو آیات کو کلام اللہ سمجھ کر پڑھ لیتا ہے دل سے خدا کیطرف متوجہ رہتا ہے۔ خشوع و خضوع اس پر غالب رہتا ہے اس کی نماز اس عالم کی نماز سے ہزار گونہ بہتر ہے جو آیات کو پڑھ کر معانی کی تحقیق اور مسائل کے استخراج میں پھنس جاتا ہے اور عبادت کے وقت علمی تحقیقات کرنے لگتا ہے (اصح السیر)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ تلاوتِ کلام اللہ میں خشوع و خضوع فہم معانی پر موقوف نہیں بلکہ بغیر اس کے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہوا کہ تلاوت سے پہلے ہی آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور "ھٰذَا کَلَامُ رَبِّیْ۔ ھٰذَا کَلَامُ رَبِّیْ" (میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے) بار بار فرمانے لگتے تھے۔ سبحان اللہ کس قدر عظمت و جلالت کلام اللہ کی صحابہ کے قلوب میں راسخ تھی۔ یہ سوچ کر کہ یہ اللہ تعالےٰ کا کلام ہے بیہوش ہو جاتے تھے تو کیا اب ہر شخص تلاوت سے پہلے یہ سوچ نہیں سکتا اور کیا اس سے اثر نہیں لے سکتا؟

اس میں تو پڑھے، بے پڑھے، عربی، عجمی سب برابر ہیں۔ پس ہر شخص پر لازم ہے کہ کلام اللہ

کی عظمت و جلالت کے استحضار کے ساتھ تلاوت کرے ۔

اور یہ بھی سنئے ! عمل کا تعلق فہم سے نہیں ہے بلکہ ایمان سے ہے ۔ عمل ایمان سے ہوتا ہے فہم سے نہیں ۔ اگر فہم سے تعلق ہوتا تو جتنے عالم ہیں سب عامل ہو جاتے اور جتنے یہودی ، نصرانی عربی جانتے ہیں مسائلِ اسلامیہ پڑھتے پڑھاتے ہیں سب عمل کرنے لگتے اور ایمان لے آتے مگر سب کافر کے کافر ہی ہیں ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عمل کا تعلق فہم اور عربی دانی سے نہیں بلکہ اس کا تعلق محض ایمان سے ہے جس درجہ کا ایمان ، اسی درجہ کا عمل ہوتا ہے اور اس کا مدار توفیق خداوندی پر ہے اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ایمان کبھی تلاوت سے پیدا ہوتا ہے ۔ تلاوت ایمان کی مورث اور ازدیادِ ایمان کا ذریعہ و موجب ہے ۔ جب تلاوت ہوگی ایمان میں اضافہ ہوگا ۔ پھر ایمان کے خیرات و برکات بھی حاصل ہوں گے اور سب سے بڑا فیض و خیر نماز ہے جبکی نماز درست ہو جائیگی بقیہ اعمال بھی کامل طور پر ادا ہونے لگیں گے ۔

تلاوت سے ایمان بڑھنے پر نصوص وارد ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا وعلیٰ ربھم یتوکلون ۝

(ترجمہ) پس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں ۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات انکو پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں "

صاحبِ روح المعانی نے اس آیت کے تحت ایک بہت عمدہ بات تحریر فرمائی ہے اسکو نقل کرتا ہوں :

(الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم) ای فزعت استعظاما لشانہ الجلیل وتھیبا منہ جل وعلیٰ والاطمینان المذکور فی قولہ سبحانہ تعالیٰ ۔ (الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) لاینافی الوجل والخوف لانہ عبارۃ من ثلج الفواد وشرح الصدر بنور المعرفۃ والتوحید وھو مجامع الخوف ۔ (۹ ص۱۳۶)

(ترجمہ حاشیہ) یعنی مؤمنین کے قلوب اللہ کے ذکر سے انکی ہیبت اور شان جلیل کی عظمت کے استحضار سے ڈر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قول (خبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) میں جو اطمینان مذکور ہے تو وہ وجل اور خوف کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ اطمینان سے مراد قلب کی ٹھنڈک اور شرح صدر ہے جو نور معرفت اور توحید سے حاصل ہوتا ہے اور یہ خوف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔"

الحاصل تلاوت قرآن بلا فہم کے متعلق ہمارے اکابر کی یہ تصریحات ہیں. جو صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ تلاوت بلا فہم بھی مفید اور موجب قرب ہے۔ پھر بھلا ان علمائے محققین کے اقوال وارشادات کو کیونکر نسیاً منسیا کیا جا سکتا ہے ہر مسئلہ میں تو ان کے ارشادات کو حجت اور سند بنایا جائے پھر آخر اسی مسئلہ میں کیوں ساقط الاعتبار قرار دیا جائے۔

خود سوچئے کہ آج تلاوت کلام اللہ کو غیر ضروری قرار دیا جائے۔ کل کو کسی دوسرے امر دین کو غیر ضروری کہدیا جائے تو اس طرح سارا دین ہی ختم ہو جائیگا اور دین کا کوئی رکن سالم نہ رہ جائے گا۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ بلا فہم بھی تلاوت کرنی چاہئے، اس فکر میں رہنا کہ ہم میں فہم پیدا ہو جائے گی اور عربیت سے بخوبی واقف ہو جائیں گے تب تلاوت کریں گے یہ دھوکا ہے اور نفس وشیطان کا کید ہے اس کیطرف اصلا التفات نہ کرنا چاہئے۔ اگر فہم کو شرط قرار دیا جائے تو بہت سے مسلمان اس تلاوت کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جائیں گے اس لئے کہ اکثریت تو بے سمجھوں ہی کی ہے۔ جب تک سمجھ پیدا کریں گے عمر کا ایک کثیر حصہ ختم ہو چکے گا اور اکثر تو مر ہی جائیں گے تو نہ سمجھ ہی پیدا ہو گی اور نہ تلاوت ہی کے برکات سے حصہ ملے گا، خالی کے خالی ہی رہ جائیں گے اور تلاوت کے ذریعے جو رشتہ اور تعلق اللہ سے جڑتا ہے وہ منقطع ہو جائیگا تو یہ کس قدر حرمان اور خسارہ کی چیز ہو گی۔ خوب سمجھ لیجئے۔

اور یہ بھی سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہر طرح سے اعجاز رکھا ہے۔ الفاظ

کے اعتبار سے بھی اور معانی کے اعتبار سے بھی ۔ چنانچہ عرب فصاحت، بلاغت میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے ۔ کئی کئی سو شعر فی البدیہہ کہدیتے تھے مگر قرآن کی ایک چھوٹی سورہ کے برابر بھی نہ لاسکے ۔ اسی طرح اس کے معانی کے سمجھنے میں اعجاز ہے ۔ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ کتنی ہی کتب تفاسیر دیکھ لی جائیں مگر قرآن کے مطالب و معانی محفوظ نہیں رہتے ۔ تو آخر کیا بات ہے ۔ بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ معنیٰ میں اسقدر وسعت ہے کہ احاطہ نہیں ہوپاتا، عقل حیران ہوجاتی ہے ۔ ایک ہی آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ہوتے ہیں سب کا مستحضر رکھنا بہت دشوار امر ہے، بار بار مراجعت کی ضرورت پڑتی ہے ۔

قرآن پاک کے الفاظ ہی کا یاد کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے چونکہ حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس لئے حفاظ پر اس کے حفظ کو آسان فرمادیتے ہیں ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ یاد رکھ سکے ۔

پس اگر ہر شخص کو فہم کا مکلف کر دیا جائے تو بہت ہی دشواری ہوجائے گی جیسے کوئی انگریزی اور ہندی نہ جانتا ہو، ایسے شخص سے کہا جائے کہ اس میں تدبر کرو تو بھلا کیسے تدبر کرسکتا ہے ظاہر ہے کہ یہ امر تکلیف مالایطاق[ع] کے قبیل سے ہوگا ۔

سنئے ! میں تدبر و تفکر اور فہم قرآن کو منع نہیں کرتا ۔ سب لوگ عالم ہوجائیں اور تفکر فی القرآن کرنے لگیں تو اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہوسکتی ہے ۔ مگر تلاوت کا اسکو موقوف علیہ ٹھہرانا البتہ خلاف نقل و عقل ہے اور بزرگوں کی تصریحات کے مزاحم ہے ۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "التبیان" سے حامل قرآن کے آداب نقل کر دیئے جائیں جو نہایت ہی ضروری اور قابل رعایت ہیں ۔ اس کے بعد انشاء اللہ قرآن کے آداب بیان کئے جائیں گے ۔

ع ۔ طاقت و تحمل سے باہر کام سونپنا ۔ ۱۲

حاملِ قرآن کے آداب و اوصاف

حاملِ قرآن کو جن آداب سے مؤدب اور جن صفات سے متصف ہونا چاہیے وہ بہت ہیں۔

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس کے حالات نہایت ہی عمدہ اور خصال بہت ہی بہتر ہونی چاہئیں نیز قرآن کریم کی تعظیم اور اس کے اجلال¹ کی خاطر اسکو چاہئے کہ اپنے نفس کو ان تمام چیزوں سے دور رکھے جن سے قرآن شریف نے منع فرمایا ہے، نیز اسے چاہئے کہ رذیل کمائی سے احتراز کرے۔ شریف النفس ہو اور اہلِ دنیا جو ظالم اور جابر ہیں ان سے استغناء و ترفع برتے اور جو لوگ اہل خیر اور صالحین یا مساکین ہیں ان سے غایت تواضع کے ساتھ پیش آئے نیز حاملِ قرآن کو چاہئے کہ صاحبِ خشوع ہو اور صاحبِ وقار و اہل سکینہ ہو۔

حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے قراء کی جماعت اپنے سروں کو اٹھاؤ (دیکھو) تمہارے لئے راستہ واضح ہے لہٰذا نیکی میں سبقت کرنے والے بنو اور لوگوں پر بار نہ بنو۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس کے سینے میں قرآن ہو اس کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اپنی رات سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ سو رہے ہوں اور اپنے دن سے پہچانا جائے جبکہ لوگ کھا پی رہے ہوں (یعنی روزہ رکھے ہوئے ہو) اور اپنے حزن وغم سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ خوشیاں منا رہے ہوں اور اپنے گریہ و زاری سے پہچانا جائے جبکہ لوگ ہنس بول رہے ہوں۔ اور اپنی خاموشی و سکوت سے پہچانا جائے

---

¹ عظمت و احترام

جبکہ سب لوگ ادھر اُدھر کی باتیں کر رہے ہوں اور بکواس میں مشغول ہوں۔
اسی طرح اپنی مسکنت و تواضع سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ فخر و غرور کی باتوں میں لگے ہوئے ہوں۔

حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے انکی حالت یہ تھی کہ قرآن کو اپنے رب کے پاس سے آیا ہوا مکتوب سمجھتے تھے چنانچہ رات کو اس میں تدبر کرتے تھے اور دن میں اپنے پر اسکو نافذ کرتے تھے یعنی اس کے احکام پر عمل کرتے تھے۔

حضرت فضیلؒ بن عیاض فرماتے ہیں کہ حامل قرآن کو اپنی کوئی حاجت خلفاء کے پاس اور دوسرے کسی اعیانِ سلطنت کے پاس نہیں لے جانا چاہئے۔ انھیں سے یہ بھی منقول ہے کہ حامل قرآن گویا پرچم اسلام کا حامل ہے لہٰذا اس کی شان سب سے الگ ہونی چاہئے یعنی نہ تو کسی لہو کرنے والے کے ساتھ لہو کرے اور نہ کسی سہو کرنیوالے کے ساتھ سہو کرے اور نہ کسی لغو کے کام کرنیوالے کیساتھ ہو کر لغو میں پڑے۔ حق قرآن کے اجلال اور اس کی تعظیم کا یہی تقاضہ ہے۔

فصل :- حامل قرآن کو جن امور کا حکم کیا جائے گا ان میں سے ایک اہم شئے یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کو ذریعۂ معاش اور کمائی بنانے سے بہت ہی زیادہ حذر (پرہیز) کرے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن شبیلؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"قرآن کو پڑھو مگر اس کو کھانا نہ بناؤ، نہ اس پر ظلم و جفا کرو کہ سیکھو ہی نہیں اور نہ اس میں غلو کرو کہ محض آواز درست کرنے اور حروف نکالنے ہی کے درپے رہو۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ قرآن کو اس سے پہلے پہلے پڑھ لو کہ ایک ایسی قوم آ دے جو اسکو تیر کے مانند سیدھا کرے گی اور دنیا ہی میں اس کا صلہ چاہے گی (یعنی تعریف و شہرت اور مال وغیرہ) اور آخرت انکو مقصود

نہ ہو گی۔

حضرت فضیل بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی میں سے دو شخص کسی مسجد میں گئے نماز کے بعد جب امام نے سلام پھیرا تو کوئی شخص کھڑا ہوا اور قرآن شریف کی چند آیتیں تلاوت کیں پھر لوگوں سے سوال کیا یہ دیکھ کر ان دونوں صحابیوں میں سے ایک نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ عنقریب ایک قوم ایسی آئیگی جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرے گی سو جو شخص قرآن کے ذریعہ سوال کرے اسکو مت دو۔

معمولاتِ سلف

فصل :۔ مناسب ہے کہ تلاوت قرآن پر محافظت کی جائے اور اس کا زیادہ سے زیادہ معمول رکھا جائے چنانچہ اسلاف کا معمول ختم قرآن کی مقدار کے باب میں مختلف تھا۔ بعض سلف کا تو یہ معمول تھا کہ وہ دو ماہ میں ایک ختم کرتے تھے اور بعض ہر مہینہ میں ایک ختم۔ اور بعض ہر عشرہ میں ایک بار یعنی ایک ماہ میں تین ختم کرتے تھے، اور بعض ہر ہفتہ میں ایک ختم کرتے تھے بعض چھ دن میں اور پانچ دن میں، بعض چار دن میں قرآن شریف ختم کرتے تھے، اور بہت سے لوگوں کا معمول تین دن میں ختم کرنے کا تھا۔ بعضے دو ہی دن میں ختم کرتے تھے، بعض شبانہ روز میں ختم کرتے تھے اور بعض حضرات ایک دن میں دو ختم فرماتے تھے۔ بعضے حضرات رات دن میں تین ختم فرماتے تھے۔ بعضوں سے رات دن میں آٹھ آٹھ ختم منقول ہے۔ چار دن میں اور چار رات میں۔

چنانچہ حضرت سیدنا عثمانؓ، تمیم داریؓ، سعید بن جبیرؓ، مجاہدؒ اور حضرت امام شافعیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا معمول ایک دن رات میں سارا

قرآن ختم کرنیکا تھا اور جن لوگوں نے ایک دن رات میں تین تین ختم کیا ہے ان میں سے ایک حضرت سلیم بن عمرؓ ہیں جو خلافت معاویہؓ کے دور میں مصر کے قاضی تھے اور ابو بکر بن داؤد کے بیان کے مطابق تو وہ ایک شب میں چار ختم فرمایا کرتے تھے۔

اور ایک بزرگ ہیں ابن الکاتب ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دن میں چار ختم کرتے تھے اور پھر چار ہی ختم رات کو بھی فرمایا کرتے تھے اور یہی سب سے زیادہ مقدار ہے جو اس باب میں ہم تک پہونچی ہے یعنی روزانہ آٹھ ختم سے زائد کسی کے متعلق روایت نہیں پہونچی۔ رہا یہ کہ قرآن شریف کا ختم کم سے کم کتنے وقت میں کیا گیا تو اس کے متعلق سنئے!

حضرت منصور بن زاذان جو عُبّاد تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں وہ رمضان شریف میں روزانہ دو ختم فرماتے تھے ایک ظہر اور عصر کے مابین اور دوسرا مغرب وعشاء کے درمیان۔

نیز ابو داؤد کی روایت ہے کہ مجاہدؒ مغرب اور عشاء کے مابین قرآن ختم فرمایا کرتے تھے، منصورؒ کہتے ہیں کہ علی ازدیؒ رمضان شریف میں مابین مغرب وعشاء ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد حبوہ باندھ کر بیٹھتے تھے اور اپنے حبوہ کو کھولتے نہ تھے یہاں تک کہ قرآن ختم فرمالیتے تھے۔

(احتباء :- یہ ایک طریقۂ نشست ہے کہ اس میں پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی رومال یا چادر وغیرہ سے باندھ لیتے تھے جس کی وجہ سے بیٹھنے میں راحت ملتی ہے اور اس کپڑے کو جس سے باندھتے ہیں حبوہ کہتے ہیں)

اور وہ حضرات جنھوں نے ایک رکعت میں ختم قرآن کیا تو وہ بھی بیشمار ہیں چنانچہ متقدمین میں سے حضرت عثمانؓ، تمیم داریؓ، سعید بن جبیرؓ اسی فہرست میں ہیں۔

اسی طرح جو حضرات ہفتہ میں ایک دفعہ قرآن شریف ختم فرماتے تھے وہ بھی بکثرت ہیں۔ چنانچہ صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور تابعین میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن یزیدؒ، حضرت علقمہؒ، حضرت ابراہیمؒ وغیرہم کا یہی معمول تھا۔

یہی معمول "فمی بشوق" کہلاتا ہے۔ اس میں قرآن شریف کی سات منزلوں کیطرف اشارہ ہے۔ اس طرح کہ ہر منزل کی اول سورہ کا نام پہلے حرف سے مراد ہے۔ یعنی فاؔ سے فاتحہ۔ میمؔ سے مائدہ۔ یاؔ سے یونس۔ باؔ سے بنی اسرائیل شینؔ سے شعراء۔ واؔوٓ سے والصٰفٰت۔ اور قافؔ سے سورۂ قٓ۔

یہی ہمارے بزرگوں یعنی حضرت حاجی صاحبؒ و حضرت مولانا تھانویؒ کا بھی معمول[1] تھا۔ اسلاف کا معمول تلاوت کے باب میں جو تھا آپ نے ملاحظہ فرمایا اب سنئے کہ قول فیصل اس باب میں یہ ہے کہ یہ مقدار اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہے چنانچہ جس شخص کیلئے دقیق ذکر سے لطائف اور معارف قرآنیہ ظاہر ہوں اسکو چاہئے کہ اتنی مقدار پڑھے کہ جس سے اپنے پڑھے ہوئے کو کامل طور سے سمجھ بھی سکے اور جو شخص اشاعتِ علم دین یا اسی طرح کے اور دوسرے مہمات دین اور مصالح عامۂ مسلمین میں مشغول ہو تو اس کو چاہئے کہ تلاوت میں اتنی ہی مقدار پر اکتفاء کرے جس سے اس کے مقصد میں خلل واقع نہ ہو۔ اور اگر ان لوگوں میں سے نہیں ہے تو پھر جس قدر زیادہ تلاوت کر سکے کرے بس اس کا خیال رکھے کہ اتنی تکثیر نہ کرے جو موجب کلال[2] و ملال ہو جائے یا جلدی ختم کرنے کے لئے تیز تیز پڑھنے لگے۔ (جیسے گھاس کاٹ رہا ہو معاذاللہ)

---

[1] ہمارے حضرت قدس سرہٗ کا بھی یہی معمول تھا۔ [2] تھکن و اکتاہٹ۔ از ناقل

رات میں تلاوت کی کثرت

(ایک ادب حاملِ قرآن کا یہ ہے کہ) اسکو چاہئے کہ قرآن شریف کی تلاوت شب کے اوقات میں زیادہ کرے۔ بالخصوص تہجد کی نماز میں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لیسوا سواء من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون اٰیات اللہ اٰناء اللیل وھم یسجدون یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ویأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولٰئک من الصّٰلحین۔

(ترجمہ) یہ سب برابر نہیں ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہیں اللہ کی آیتیں اوقاتِ شب میں پڑھتے ہیں، اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں، اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام بتلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں ہیں۔

نیز صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ بہت ہی خوب آدمی ہیں۔ کاش وہ رات میں بھی نمازیں پڑھتے۔ دوسری صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ اس شخص کے مانند مت ہو جانا کہ وہ رات کو اٹھا کرتا تھا پھر اٹھنا ترک کر دیا۔

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا شرف قیام لیل میں ہے۔ احادیث و آثار اس باب میں بہت ہیں چنانچہ ابوالاحوص جشمی کہتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں کے خیموں کے درمیان سے شب میں گذرتا اور اس کے رہنے والوں کی آواز ایسی سنتا تھا جیسے کہ شہد کے مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے تو یہ سنکر ترحّماً کہتا تھا کہ کیا صورت ہو کہ یہ لوگ جس چیز سے خوف کر رہے ہیں (جیسا کہ انکی آواز سے ظاہر ہو رہا ہے) اس سے مطمئن اور بے خوف ہو جائیں۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ شب میں قرآن ضرور پڑھا کرو چاہے تھوڑی ہی دیر سہی۔ مثلاً اتنی ہی دیر جتنا بکری دوہنے میں وقت لگتا ہے۔ حضرت یزید رقاشیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں شب میں سو رہوں اور آخر شب میں آنکھ کھلے (تو بھی نہ اٹھوں) اور پھر سو جاؤں تو خدا کرے کہ میری آنکھوں کو کبھی سونا نصیب نہ ہو۔ (شب بیداری کی دولت پاکر پھر اس سے متمتع نہ ہونے کے قلق کو اس عنوان سے ظاہر کرتے تھے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ میں نے صلوٰۃ لیل اور اس میں تلاوت کی فضیلت اس لئے بیان کی اور اسکو راجح اسلئے کہا کہ اس وقت جو تلاوت ہوتی ہے وہ قلب کی جمعیت کے ساتھ ہوتی ہے۔ دیگر مشاغل، لہو ولعب اور ضروریات و حوائج کی فکر سے خالی ہوتی ہے۔ ریا سے پاک ہوتی ہے اور دوسری محبطاتِ[ع] اجر سے محفوظ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شریعت میں رات کے جو فضائل وارد ہیں مثلاً یہ کہ خیرات و برکات کا ایجاد رات ہی میں ہوتا ہے۔ وہ سب تالی کو حاصل ہوں گی۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معراج ہوئی وہ شب ہی میں ہوئی اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ تمہارا رب ہر شب میں نصف رات گذرنے کے بعد سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اعلان فرمایا جاتا ہے کہ ہے کوئی دعا کرنے والا جس کے دعا کی اجابت کروں الحدیث (تو دیکھو یہ بھی رات ہی میں ہوتا ہے) اور سنو! حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر رات میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسوقت کی دعا قبول فرماتا ہے۔

پھر یہ سمجھو کہ قیامِ لیل کی فضیلت اور اس میں قرارت کا شرف قلیل مقدار اور کثیر مقدار سب سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جس قدر زیادہ مقدار ہوگی اتنی ہی بہتر ہوگی باقی ساری رات کو گھیر لینا تو اگر کبھی کبھی ہو تو مضائقہ

ع اجر و ثواب کو ضائع کر دینے والی چیز۔

نہیں بشرطیکہ صحت کیلئے مضر نہ ہو لیکن اس پر دوام برتنا مکروہ ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ فضیلتِ قیامِ لیل مقدارِ قلیل سے بھی حاصل ہو جاتی ہے تو اسکی دلیل سنو!

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے شب میں دس آیتیں نماز میں پڑھیں تو وہ غافلین میں سے نہیں شمار ہوگا۔ اور جو شخص سو آیتیں پڑھے گا اس کا شمار قانتین میں ہوگا اور جو ایک ہزار آیتیں پڑھے گا وہ مقنطین میں شمار ہوگا۔

حضرت ثعلبیؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے رات میں صرف دو رکعتیں بھی پڑھ لیں تو گویا اس نے ساری رات اللہ کے آگے رکوع اور سجدے میں گذاری۔

قرآن کے بھلا دینے کی مذمت اور وعید شدید

ایک ادب حاملِ قرآن کا یہ ہے کہ وہ اپنے پڑھے ہوئے کو یاد بھی رکھے بھولنے نہ دے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قرآن کی اچھی طرح سے حفاظت کرو اور نگرانی رکھو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ یہ قرآن اس اونٹ سے بھی زیادہ بھاگ نکلنے والا ہے جس کی ٹانگیں رسی میں بندھی ہوں۔

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب قرآن کی مثال ایسی ہے جیسے کہ صاحب ابل جس نے اسکی ٹانگ باندھ رکھی ہو اب اگر اس نے اس کا خیال رکھا تب تو اونٹ پر اس کا قابو رہ سکے گا اور اگر کھول دیا تو اونٹ نکل بھاگے گا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے اعمال کے اجور (اور ثواب) پیش کئے گئے یہانتک کہ اگر کسی شخص نے مسجد سے خس وخاشاک کو دور کیا تھا تو وہ بھی پیش ہوا۔ اسی طرح میری امت کے ذنوب (اور گناہ) بھی پیش کئے گئے۔ مجھے ان میں کوئی گناہ اس سے بڑھ کر نہیں نظر آیا کہ کسی انسان کو قرآن شریف کی کوئی سورۃ یا کوئی آیت یاد ہو اور پھر اس نے اسکو بھلا دیا ہو۔

حضرت سعد بن عُبادہؓ سے مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن شریف کو پڑھا پھر اسکو بھلا دیا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے بدن پر جذام ہو گا۔

فصل :- حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص شب میں اپنے ورد (وظیفہ اور معمول) وغیرہ سے سو جائے پھر اس کو صبح، فجر اور ظہر کے درمیانی وقت میں ادا کرے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے شب ہی میں ادا کیا ہو۔ حضرت سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں ایک شب اپنے ورد کو نہ پڑھ سکا اور میرا ورد سورۂ بقرہ کی تلاوت کا تھا جب صبح کو اٹھا تو میں نے "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا۔ اسی رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بقرہ (یعنی گائے) ہے جو مجھ کو اپنے سینگ سے مار رہی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کسی حافظ قرآن کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شب وہ سو گئے اور اپنے معمول کو نہ ادا کر سکے۔ شب کو انھوں نے خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا ان سے کہہ رہا ہے کہ:

بڑے افسوس اور تعجب کی بات ہے کہ ایسا تن و توش اور ایسی صحت رکھنے والا جوان تو صبح تک پڑا سوتا رہے یعنی اس قدر غافل ہو۔ اور موت کا یہ حال ہے کہ اس کے جھپٹنے سے رات کی تاریکی میں امن نہیں ہے (اس کا تو تقاضہ تھا کہ انسان اس طرح سے غافل نہ سوتا)

آدابِ تلاوتِ قرآن پاک

میں نے شروع میں وعدہ کیا تھا کہ آدابِ تلاوت مستقل طور پر بیان کرونگا اس لئے بیان کرتا ہوں۔ بعض آداب پہلے بیان ہو چکے ہیں تاہم ثانیًا لکھتا ہوں تاکہ سب یکجا ہو جائیں وھو ھٰذا!

کتاب الاذکار میں ہے کہ:

سب سے پہلی چیز جس کا قاری اپنی قرارت میں مامور ہے وہ اخلاص ہے اور قرآن پاک کے ادب کی رعایت ہے پس اس کو چاہئے کہ اپنے دل میں استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہا ہے۔ اور قرارت ایسے حال پر کرے گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ نہیں دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو دیکھتے ہیں۔

احیاء العلوم میں ہے کہ:

تلاوت کرنیوالے کو چاہئے کہ کلام اللہ کی عظمت کو سمجھے اور ابتداء تلاوت ہی میں متکلم کی تعظیم کو مستحضر کرے اور یہ سوچے کہ جس کلام کی تلاوت کرنے جا رہا ہے وہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ جل شانہٗ کا کلام ہے۔

نیز احیاء العلوم میں ہے کہ:

قاری کے لئے مناسب ہے کہ باوضو ہو۔ وقار اور سکون کی ہیئت میں ہو، قبلہ رُو ہو اس کا بیٹھنا تکبر کے طور پر نہ ہو بلکہ اس کا جلوس خلوت میں اس طور پر ہو جیسے ایک شاگرد رشید اپنے استاذ محترم کے سامنے بیٹھتا ہے اور افضل احوال یہ ہے کہ نماز میں کھڑے ہو کر پڑھے اور اگر وہ مسجد میں ہو تو

یہ افضل الاعمال ہے اور اگر بلا وضو کے لیٹ کر قراءت کرے تب بھی فضیلت ہے مگر پہلی قراءت سے اس کی فضیلت کم ہے۔

دورانِ تلاوت تالی کی کیفیت

کتاب الاذکار میں ہے کہ قاری کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اسکی قراءت میں خشوع و تدبر اور خضوع ہو اور یہی مطلوب و مقصود ہے اسی سے سینوں میں انشراح اور قلوب میں نور پیدا ہوتا ہے چنانچہ سلف کے کچھ لوگ ایک آیت کی تلاوت رات رات بھر کرتے رہ جاتے تھے۔ اور رات کے اکثر حصہ کو تدبر کرنے میں گذار دیتے تھے۔ اور ایک جماعت تو تلاوت کے وقت بیہوش ہو گئی اور کتنے لوگ مر بھی گئے اور مستحب یہ ہے کہ تلاوت کے وقت روئے، اگر رونے پر قادر نہ ہو تو رونے کی صورت بناوے اسلئے کہ قراءت کے وقت بکاء عارفین کی عادت اور اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کا طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (الآیۃ)

اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن انکا خشوع اور بڑھا دیتا ہے۔

صاحب روح المعانی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ:

وقد جاء فی مدح البکاء من خشیتہ تعالیٰ اخبار کثیرۃ اخرج الحکیم الترمذی عن النضر ابن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ان عبداً ابکیٰ فی امۃ لانجی اللہ تعالیٰ تلک الامۃ من النار ببکاء ذٰلک العبد۔

وما من عمل الا لہ وزن وثواب الا الدمعۃ فانھا تطفیٔ بحوراً من النار وما اغرورقت عین بماءھا من خشیۃ اللہ تعالیٰ الا حرم اللہ تعالیٰ جسدھا علی النار فان فاضت علی خدہ لم یرھق وجھہ قتر ولا ذلۃ۔

واخرج ایضاً عن ابن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يقول عينان لا تمسهما النار عين بكت من خشية الله وعين باتت تحرس في سبيل الله۔

واخرج هو والنسائی ومسلم قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم لا يلج النار رجل بكى من خشية الله تعالیٰ حتی یعود اللبن فی الضرع و لا اجتمع علی عبد غبار فی سبیل الله تعالیٰ ودخان جهنم۔ وزاد النسائی فی منخریہ ومسلم ابداً۔ وینبغی ان یکون ذلك حال العلماء فقد اخرج ابن جریر وابن المنذر وغیرهما عن عبد الاعلی التیمی انہ قال ان من اوتی من العلم ما لا یبکیہ لخلیق ان قد اوتی من العلم ما لا ینفعہ لان الله تعالیٰ نعت اهل العلم فقال ویخرون للاذقان یبکون۔

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کی مدح میں بہت کثرت سے روایات آئی ہیں چنانچہ حکیم ترمذی نے نضر بن سعد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ کسی قوم میں (اللہ تعالیٰ کے خوف سے) روتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پوری امت کو (اس ایک بندہ کے رونے کے سبب) نارِ جہنم سے رہائی نصیب فرما دیتے ہیں۔

اور ہر عمل کیلئے ایک خاص وزن اور ثواب ہوتا ہے۔ بجز آنسو کے کہ وہ آگ کے بہت سے سمندروں کو بجھا دیتا ہے اور کوئی آنکھ ایسی نہیں ہے جس میں خدا کے خوف سے آنسو ڈبڈبا آئے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو دوزخ پر حرام فرما دیں گے اور اگر وہ آنسو اس کے رخسار پر گر جائے تو اس کے چہرہ پر ذرا بھی سیاہی چھائیگی نہ رسوائی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دو ۲ آنکھیں ایسی ہیں کہ نارِ جہنم انکو نہ چھوئے گی۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہو۔ اور دوسری وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں حفاظت کیلئے جاگی ہو۔

اسی طرح نسائی وغیرہ نے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جو کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا ہو اس وقت تک دوزخ میں داخل نہ ہوگا جب

تک کہ دودھ تھن میں نہ لوٹ جائے (یہ تعلیق بالمحال ہے یعنی نہ یہ ہوگا اور نہ وہ ہوگا) اور یہ فرمایا کہ کسی انسان کے نتھنوں میں اللہ تعالیٰ کے رستہ کی گرد اور دوزخ کا دھواں یہ دونوں چیزیں ہرگز جمع نہیں ہو سکتیں (یعنی دنیا میں جب اللہ کے راستہ میں گرد کھائی ہے تو آخرت میں عذاب جہنم سے محفوظ رہے گا) اور لائق ہے کہ یہی حال علمار کا بھی ہو۔ اس لئے کہ ابن جریر اور ابن منذر وغیرہ نے عبدالاعلیٰ تیمی سے تخریج کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایسا علم دیا گیا جو اس کو نہ رلائے تو حق ہے کہ کہا جائے کہ وہ ایسا علم دیا گیا جو اس کے حق میں نافع نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم کے وصف میں یہ فرمایا ہے کہ اپنے منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور روتے ہیں (بس جو عالم خدا کے خوف سے رویا نہیں وہ کیا عالم ہوا)

قرآن دیکھ کر پڑھنا

قرآن دیکھ کر پڑھنا افضل ہے زبانی پڑھنے سے۔ یہی ہمارے اصحاب نے کہا ہے اور سلف سے بھی مشہور ہے مگر یہ علی الاطلاق نہیں بلکہ اگر قاری کا حال یہ ہے کہ زبانی پڑھنے میں اس کو زیادہ تدبر و تفکر اور جمعیتِ قلب حاصل ہوتی ہے تو اس صورت میں اس کے لئے یہی افضل ہے اور دونوں میں تدبر و تفکر یکساں ہو تو پھر قرآن دیکھ ہی کر پڑھنا افضل ہے۔

قراءتِ جہری و سرّی

قرارت میں رفع صوت (بآواز بلند پڑھنے) کے بارے میں احادیث آئی ہیں اور اسرار (آہستہ پڑھنے) کی فضیلت میں بھی بہت سے آثار وارد ہیں۔ ان دونوں میں تطبیق اور جمع کی صورت یہ ہے کہ اسرار (یعنی آہستہ آواز سے پڑھنا) ریار سے بہت بعید ہے تو جن لوگوں کو اس کا خوف ہو ان لوگوں کے حق میں اسرار ہی افضل ہے۔ اور اگر ریار کا خوف نہ ہو تو جہر

(یعنی بلند آواز سے تلاوت کرنا) افضل ہے۔ بشرطیکہ اس سے کسی نماز پڑھنے والے یا سونے والے کو اذیت نہ ہو۔

جہر کے افضل ہونیکی دلیل یہ ہے کہ اس میں عمل بڑا ہے اور اس کا نفع غیروں کو بھی پہونچتا ہے، اور جہر قاری کے قلب کو بیدار کر دیتا ہے، اسکے خیال کو غور و فکر کیطرف جمع کر دیتا ہے، اس کے کان کو اس کی طرف پھیر دیتا ہے، نیند کو ختم کر دیتا ہے، نشاط کو زیادہ کرتا ہے، دوسرے نائمین و غافلین کو بیدار کر کے ان میں نشاط پیدا کر دیتا ہے۔ پس اگر جہر سے ان مذکورہ اشیاء میں سے کوئی شئے مقصود و مطلوب ہو تو جہر افضل ہے۔

تلاوت میں حُسنِ صوت

قرارت میں تحسینِ صوت اور اسکی تزیین مستحب ہے مگر جبکہ حد سے تجاوز نہ ہو جائے۔ پس اگر ایک حرف بھی زیادہ کر دے یا کم کر دے تو یہ حرام ہے اور الحان سے قرارت کرنے میں اگر افراط نہ ہو تو جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

تلاوت کے آغاز و انتہا میں ربطِ معانی کا لحاظ

قاری کو چاہئے کہ ایسی جگہ سے قرارت شروع کرے اور ایسی جگہ پر وقف کرے کہ معنی مربوط رہیں۔ اب اس امر میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے اسلئے ہرگز ہرگز اس میں لوگوں کی تقلید نہ کرنی چاہئے بلکہ سید جلیل ابو علی فضیلؒ ابن عیاض کے مقولہ کو اپنا لائحۂ عمل بنانا چاہئے وہ فرماتے ہیں کہ :

لَا تَسْتَوْحِشْ طُرُقَ الْهُدٰى لِقِلَّةِ اَهْلِهَا وَلَا تَغْتَرَّ بِكَثْرَةِ الْهَالِكِيْنَ۔

ہدایت کے راستوں سے اس بنا پر کہ ان پر چلنے والے کم ہیں متوحش نہ ہو اور کثرتِ ہالکین سے دھوکہ میں نہ پڑو (یعنی انکی کثرت کو دیکھ کر تم بھی انکی اتباع کرنے لگو اور ہلاکت میں پڑ جاؤ (یہ سب آداب کتاب الاذکار للنووی سے ماخوذ ہیں)

پس اگر ان آداب مذکورہ کا لحاظ کر کے تلاوت کی جائے تو ضرور تلاوت کے فیوض و برکات حاصل ہوں گے اور تلاوت کی لذت و حلاوت ملے گی، اور جسکو تلاوت میں لذت و حلاوت مل جائیگی اسکو کبھی بھی تلاوت سے سیری نہ ہوگی۔ چنانچہ صحابہ کو قرآن پاک میں ایسی حلاوت حاصل تھی کہ انکو کسی دوسری چیز میں ایسی حلاوت ملتی ہی نہ تھی۔

روایت ہے کہ جب صلوٰۃِ خمسہ فرض ہوئیں تو صلوٰۃِ تہجد کی فرضیت ساقط ہوگئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ تہجد کی فرضیت کے ساقط ہوجانے کے بعد دیکھیں صحابہ کا کیا حال ہے۔ اخیر شب میں تلاوت کلام اللہ کرتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ آپؐ صحابہ کے حجروں سے گذرے تو شہد کی مکھیوں کیطرح بھنبھناہٹ سنی۔ یعنی بدستور سابق لوگ قراءتِ قرآن میں مشغول تھے۔ بھلا وہ کیسے چھوڑ سکتے تھے انکے گوشت و پوست، سمع، بصر، دل و دماغ میں قرآن رچ بس گیا تھا اور پوری طرح سرایت کر گیا تھا ان کا جزو لاینفک (لازم) ہوگیا تھا۔ اسلئے فرضیتِ تہجد رہے یا نہ رہے ہر حال میں تلاوت کرنے پر مجبور تھے انکو قرآن سے تعلق ہوگیا تھا اور اس بابرکت وقت سے تعلق ہوگیا تھا انکو اس وقت کی برکت و حلاوت مل چکی تھی تو پھر کیسے اس سے غافل ہوسکتے تھے۔

ایک صحابی قرآن پاک کی قراءت نہایت خوش الحانی سے کر رہے تھے، حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سنا تو فرمایا کہ فلاں شخص تو لحنِ داؤد دیئے گئے ہیں۔ انھوں نے یہ سنکر کہا کہ اگر میں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو اور زیادہ خوش الحانی سے پڑھتا۔

ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی طبیعت رمضان شریف میں ناساز ہوئی، امام صاحبؒ سے لوگوں نے کہدیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو کچھ نقاہت ہے لہٰذا تراویح میں قرآن پاک معمول سے کم پڑھا جاوے

چنانچہ امام صاحب نے ایسا ہی کیا، جب امام صاحب فارغ ہوئے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہئے امام صاحب مزاج تو اچھا ہے؟ کیوں کم پڑھا۔ امام صاحب نے کہا کہ حضرت کی طبیعت ناساز تھی اس لئے کم پڑھا تب حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں۔ میرا تو حال یہ ہے کہ جب قرآن شریف کوئی پڑھتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ سنتا ہی چلا جاؤں۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور اکابر کو قرآن پاک سے انتہائی مناسبت تھی اور اسکی تلاوت سے ان حضرات کو حظ و حلاوت ایسی ملتی تھی جس کیوجہ سے بس قرارت کرتے اور سنتے ہی چلے جاتے تھے ذرا تھکان و ملالت محسوس نہ فرماتے تھے۔ سنئے! بات یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو معجزات عطاء فرمائے اور یہی معجزات ان کی نبوت و رسالت کیلئے حجت اور دلیل بنتے ہیں اور اولیاء کو انبیاء کی وراثت میں کرامات عطاء فرماتے ہیں تاکہ منکرین کو زیر کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں نہایت زبردست کشش اور تاثیر عطاء فرمائی ہے جسکی وجہ سے وہ بڑے بڑے منکر و معاند کو مغلوب و محجوج کر دیتا ہے آخر کوئی بات ہے جبھی تو عرب کے لوگ اسکی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر منہ کے بل گر پڑے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کا اقرار کیا حالانکہ وہ لوگ اپنے سامنے عجمی دوسرے کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور انھوں نے یہ تسلیم کیا کہ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کوئی بشر ایسے کلام پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اس بات کو تو دل میں سب مان گئے مگر جن کی قسمت میں سعادت تھی وہ ایمان لائے اور جو شقی تھے وہ اپنے کفر و عناد ہی پر ڈٹے رہے۔

ایک بات اور سنئے! مختصر المعانی میں گھوڑوں کی تعریف میں یہ مصرع آیا ہے۔ ع

سَبُوحٌ لَهَا مِنهَا عَلَيهَا شَوَاهِدٌ

یعنی ایسے گھوڑے ہیں کہ ان کیلئے انھیں سے ان پر شواہد ہیں۔ یعنی خارج سے انکی خوبیوں کیلئے دلائل و شواہد کی ضرورت نہیں ہے۔

اس مصرع کو میں قرآن پاک پر پڑھتا ہوں اور بیشک قرآن ہی ایسا ہے کہ اس پر یہ مصرع پڑھا جاوے کہ قرآن کے فضائل اور اسکی خوبیوں پر خود قرآن ہی شاہد ہے۔ ع : آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔

حضرت مصلح الامتؒ کی نصیحت

بس اب اخیر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو نازل فرما کر فیوض و برکات کے ابواب کو مفتوح فرمادیا ہے اور اپنے سے رشتہ و تعلق جوڑنے کیلئے اعلیٰ ترین ذریعہ ہم میں چھوڑ رکھا ہے۔ اب ہم اگر اس کی قدر نہ کریں بلکہ اسکے علاوہ دوسرے کلام و اشعار سے ذوق و حال پیدا کریں اور کلام اللہ میں تدبر و تفکر تو درکنار تلاوت کے بھی روادار نہ ہوں تو بہت ہی خسران اور حرمان ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا موجب ہے۔

سنئے ! اگر آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی رأفت و عنایت کو مبذول کرانا چاہتے ہیں تو بس کلام اللہ کیطرف توجہ کیجئے اور اپنا رشتہ کلام اللہ سے جوڑیئے اور قوی تعلق پیدا کیجئے پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کی عنایت متوجہ ہوتی ہے یا نہیں آخرت میں جو عزت و شرف و کرامت ملے گی اس کا تو پوچھنا ہی کیا، دنیا میں بھی اللہ تعالےٰ اس کی کفالت فرمائیں گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جس کو قرآن کی قرارت اور ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے باز رکھا تو سائلین کو جو کچھ دیتا ہوں اس سے افضل شئے اسکو دوں گا۔

قرآن سے متعلق ادعیہ ماثورہ

اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ادعیہ پر مضمون کو ختم کرتا ہوں
وَاَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِي
كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ
عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَ
ذَهَابَ هَمِّيْ۔ یعنی سوال کرتا ہوں میں تجھ سے بحق ہر اس نام کے جو تیرا ہے کہ تو نے
جس کے ساتھ اپنی ذات کو موسوم کیا ہے یا اس کو اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اُسے
اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا علم غیب ہی میں اسکو رہنے دیا ہے یہ کر دے
قرآن عظیم کو بہار میرے دل کی اور نور میری آنکھ کا اور کشائش میرے غم کی اور دفعیہ
میری فکر کا۔

دیکھئے یہاں قرآن کو قلب کی ربیع و بہار فرما رہے ہیں اس سے معلوم
ہوا کہ قرآن سے قلب میں بہار آجاتی ہے تو کوئی شئے ہے جبھی تو یہ دعا فرما رہے ہیں
اسی طرح کی دوسری دعائیں سنئے!

اَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الَّذِيْ اسْتَقَرَّ بِهٖ عَرْشُكَ وَاَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ
الطَّاهِرِ الْمُطَهَّرِ الْمُنَزَّلِ فِيْ كِتَابِكَ مِنْ لَّدُنْكَ وَبِاسْمِكَ الَّذِيْ
وَضَعْتَهٗ عَلَى النَّهَارِ فَاسْتَنَارَ وَعَلَى اللَّيْلِ فَاَظْلَمَ وَبِعَظَمَتِكَ وَكِبْرِيَائِكَ
وَبِنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تَرْزُقَنِيَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ وَتَخْلِطَهٗ بِلَحْمِيْ وَدَمِيْ
وَسَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَتَسْتَعْمِلَ بِهٖ جَسَدِيْ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ فَاِنَّهٗ
لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

قرآن پاک ہی کے متعلق حضور نے یہ دعا بھی فرمائی۔
اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ

وَاجْعَلْهُ لِي إِمَامًا وَّنُورًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً - اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِي مِنْهُ
مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِي مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِي تِلَاوَتَهُ آنَاءَ اللَّيْلِ
وَآنَاءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِي حُجَّةً يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

تمت بالخیر